فون نمبر: 5863260
5862956
مدیر: چوہدری ریاض احمد
Email: centralanjuman@yahoo.com
رجسٹرڈ ایل نمبر: 8532
قیمت فی پرچہ -/10 روپے

جلد نمبر 97 | 19 شعبان تا 20 رمضان المبارک 1431 ہجری - یکم تا 31 اگست 2010ء | شمارہ نمبر 17-18

احمدیہ انجمن لاہور کی خصوصیات

- آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔

ہر کام میں نیّت تقویٰ کی ہونی چاہیے

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے
اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

ریاءالناس کے لئے خواہ کوئی کام بھی کیا جاوے اور اس میں کتنی ہی نیکی ہو وہ بالکل بے سود اور الٹا عذاب کا موجب ہو جاتا ہے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانے کے فقراء خدا تعالیٰ کے لئے عبادت کرنا ظاہر کرتے ہیں مگر دراصل وہ خدا کے لئے نہیں کرتے بلکہ مخلوق کے واسطے کرتے ہیں انہوں نے عجیب عجیب حالات ان لوگوں کے لکھے ہیں وہ بیان کرتے ہیں۔ ان کے لباس کے متعلق لکھا ہے کہ اگر وہ سفید کپڑے پہنتے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ عزت میں فرق آئے گا اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اگر میلے رکھیں گے تو عزت میں فرق آئے گا اس لئے امراء میں داخل ہونے کے واسطے یہ تجویز کرتے ہیں کہ اعلیٰ درجہ کے کپڑے پہنیں مگر ان کو رنگ لیتے ہیں ایسا ہی اپنی عبادتوں کو ظاہر کرنے کے لئے عجیب عجیب راہیں اختیار کرتے ہیں مثلاً روزہ کے ظاہر کے واسطے وہ کسی کے ہاں کھانے کے وقت پر پہنچتے ہیں اور وہ کھانے کے لئے اصرار کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ آپ کھائیے میں نہیں کھاؤں گا مجھے کچھ عذر ہے اس فقرہ کے یہ معنے ہوتے ہیں مجھے روزہ ہے اس طرح پر حالات ان کے لکھے ہیں پس دنیا کی خاطر اور اپنی عزت اور شہرت کے لئے کوئی کام کرنا خدا تعالیٰ کی رضامندی کا موجب نہیں ہو سکتا اس زمانہ میں بھی دنیا کی ایسی ہی حالت ہو رہی ہے ہر ایک چیز اپنے اعتدال سے گر گئی ہے عبادات اور صدقات سب کچھ ریاکاری کے واسطے ہو رہے ہیں۔ اعمال صالحہ کی جگہ چند رسوم نے لے لی ہے اس لئے رسوم کے توڑنے سے یہی غرض ہوتی ہے کہ کوئی فعل یا قول قال اللہ اور قال الرسول کے خلاف اگر ہو تو اسے توڑا جائے۔ جبکہ ہم مسلمان کہلاتے ہیں اور ہمارے سب اقوال اور افعال اللہ تعالیٰ کے نیچے ہونے ضروری ہیں پھر ہم دنیا کی پرواکیوں کریں؟ جو فعل اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے

خلاف ہواس کو دور کر دیا جائے اور چھوڑ اجائے جو حدود الٰہی اور وصایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہوں ان پر عمل کیا جائے کہ احیاء سنت اسی کا نام ہے اور جو امور وصایا آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے خلاف نہ ہوں یا اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف نہ ہوں اور نہ ان میں ریا کاری مدنظر ہو بلکہ بطور اظہار شکر اور تحدیث بالنعمۃ ہو تو اس کے لئے کوئی حرج نہیں۔ ہمارے علماء سابقہ تو یہاں تک بعض اوقات مبالغہ کرتے ہیں کہ میں نے سنا کہ ایک مولوی نے ریل کی سواری کے خلاف فتویٰ دیا اور ڈاکخانہ میں خط ڈالنا بھی وہ گناہ بتاتا تھا اب یہاں تک جن لوگوں کے حالات پہنچ جائیں ان کے پاگل ہونے یا نیم پاگل ہونے میں کیا شک باقی رہا؟ یہ حماقت ہے۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ میرا فلاں فعل اللہ تعالیٰ کے فرمودہ کے موافق ہے یا خلاف ہے اور جو کچھ میں کر رہا ہوں یہ کوئی بدعت تو نہیں اور اس سے شرک تو لازم نہیں آتا اگر ان امور میں سے کوئی بات نہ ہو اور فساد ایمان پیدا نہ ہو تو پھر اس کے کرنے میں کوئی حرج نہیں انما الاعمال بالنیات کالحاظ رکھ لے۔ میں نے بعض مولویوں کی نسبت ایسا بھی سنا ہے کہ صرف ونحو وغیرہ علوم کے پڑھنے سے بھی منع کرتے ہیں اور اس کو بدعت قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت یہ علوم نہ تھے پیچھے سے نکلے ہیں اور ایسا ہی بعض نے توپ یا بندوق کے ساتھ لڑنا بھی گناہ قرار دیا ہے۔ ایسے لوگوں کے احمق ہونے میں شک کرنا بھی غلطی ہے۔ قرآن شریف تو فرماتا ہے کہ جیسی تیاری وہ کریں تم بھی ویسی ہی تیاری کرو یہ مسائل دراصل اجتہادی مسائل ہیں اور ان میں نیت کا بہت بڑا دخل ہے غرض ہمارا یہ فعل اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ محض اس کی شکرگزاری کے اظہار کے لئے ہے۔

ظلم، غفلت اور عدل و انصاف سے انحراف اللہ کے عذاب کو دعوت دیتا ہے

قرآن مجید انسان کے نیک رویوں کو فروغ دینے اور معاشرتی بھلائی اور ترقی کی راہ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

مورخہ 20 اگست 2010ء، جامع دارالسلام، لاہور

''اے رسولو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور اچھے عمل کرو۔ میں اسے جو تم کرتے ہو جانتا ہوں۔ اور کہ یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو میرا تقویٰ کرو۔ پھر انہوں نے اپنے دین کو آپس میں قطع کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ سب گروہ اس پر جو ان کے پاس ہے خوش ہیں۔ سو انہیں اپنی جہالت میں ایک وقت تک پڑا رہنے دے۔ کیا یہ خیال کرتے ہیں یہ جو ہم ان کو مال اور بیٹوں سے مدد دے رہے ہیں۔ تو ہم ان کو بھلائی پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں بلکہ وہ محسوس نہیں کرتے۔ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور وہ جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ اور وہ جو اپنے رب کے ساتھ (کسی کو) شریک نہیں کرتے۔ اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ کہ وہ دیتے ہیں حالانکہ ان کے دل خوف سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہ لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں اور وہ ان کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں۔ اور ہم کسی شخص پر کچھ بوجھ نہیں ڈالتے مگر اس کی طاقت کے مطابق اور ہمارے پاس کتاب ہے جو سچ سچ بتا دیتی ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ ان کے دل اس سے غفلت میں ہیں، اور اس کے سوائے ان کے اور عمل بھی ہیں جو وہ کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب ہم ان کے آسودہ حال لوگوں کو عذاب میں پکڑیں گے تو اس وقت وہ چلانے لگیں گے۔ آج مت چلاؤ، تمہیں ہماری طرف سے کوئی مدد نہیں دی جائے گی۔ میری آیتیں تمہارے سامنے پڑھی جاتی تھیں تو تم اپنی ایڑیوں پر اُلٹے پھر جاتے تھے۔ اکڑتے ہوئے اسے مشغلہ بناتے ہوئے بکواس کرتے تھے۔ تو کیا انہوں نے (اس) بات پر غور نہیں کیا بلکہ ان کے پاس وہ بات آئی ہے جو ان کے پہلے باپ دادوں کے پاس نہ آئی تھی۔ کیا انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا اس لیے وہ اس سے منکر ہیں۔ کیا کہتے ہیں اسے جنون ہے بلکہ وہ ان کے پاس حق لایا ہے، اور ان میں سے اکثر حق کو ناپسند کرتے ہیں۔ اور اگر حق ان کی خواہش کے مطابق ہوتا تو آسمان اور زمین اور جو کوئی ان کے اندر ہیں بگڑ جاتے۔ بلکہ ہم ان کے پاس اُن کی بڑائی (کا سامان) لائے ہیں سو وہ اپنی بڑائی سے منہ پھیرنے والے ہیں۔ کیا تو ان سے کچھ صلہ مانگتا ہے تو تیرے رب کا صلہ بہتر ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔ اور یقیناً تو انہیں سیدھے رستہ کی طرف بلاتا ہے۔ اور وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، رستہ سے ہٹ رہے ہیں۔ اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور جو انہیں تکلیف ہے

اسے دُور کر دیں تو وہ اپنی سرکشی میں حیران پھرتے ہوئے اصرار کریں۔ اور ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا، مگر وہ اپنے رب کے آگے نہ گرے اور یہ عاجزی کرتے ہی نہیں۔ یہاں تک کہ جب ہم ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے۔ پھر ناگہاں وہ اس میں مایوس ہو جائیں گے۔'' (المؤمنون ۲۳: ۵۱۔۷۷)

میں نے جو قرآن کریم کی آیات تلاوت کی ہیں۔ یہ سورت المؤمنون کا چوتھا رکوع ہے۔ یہ لمبا رکوع ہے۔ اس لئے میں تمام حاضرین اور سامعین جو اس وقت ٹرانسمیشن کے ذریعے سن رہے ہیں یا بعد میں ویب سائٹ پر ریکارڈ کیا ہوا خطبہ دیکھیں یا سنیں گے ان سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ پورا رکوع بڑے غور سے پڑھیں اور اس کی ہر آیت، ہر لفظ اور اس تمام رکوع پر پوری توجہ سے غور کریں۔ اس میں آج کے حالات کے لئے ایک بہت اہم پیغام ہے جو ہماری قوم کے لئے بھی ہے اور تمام دنیا کے لئے بھی ہے۔ آج سے پانچ سال پہلے ۱۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء کے بعد جو جمعہ آیا وہ بھی رمضان کا موقع تھا اور ایک شدید زلزلہ نے ہمارے ملک کو آن لیا۔ اس مبارک ماہ میں اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو اس زلزلہ سے دوچار کیا اور آج پھر رمضان میں ہم اس مسجد میں موجود ہیں اور ایک بہت بڑا سیلاب پورے ملک کو لپیٹ میں لے رہا ہے۔ یہ ہمارے لئے اور تمام پاکستانیوں کے لئے اور تمام دنیا والوں کے لئے ایک لمحہ فکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بابرکت مہینوں میں کیوں پاکستان کو سیلاب سے اور اسلامی ملکوں کو دیگر مصائب سے آزما رہا ہے۔ اس وقت ہم تباہی کے معیار سے اس سیلاب کو زلزلہ سے بہت بڑی آفت کہہ سکتے ہیں۔ اگر ہم آج کے سیلاب کو دیکھیں تو اس کا اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ اس وقت پاکستان کا 1/5 حصہ پانی میں ڈوبا ہوا ہے۔ اور ہزاروں گاؤں پانی سے تباہ ہو چکے ہیں اور اُن میں کچھ نہیں بچا۔ جب ہم پرانی بستیوں، تاریخی عمارات اور ہنستی بستی آبادیوں کا سوچتے ہیں کہ یہ کیسے غرق ہو گئیں تھیں تو ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایسے ہی اُس وقت بھی سیلابوں نے یا کسی اور آفت نے اس خطہ یا آبادی کو آن گھیرا ہوگا۔ یہ کہا جا رہا ہے کہ یہ بدترین سیلاب ۸۰ سال بعد آیا ہے۔ اور ہر ۹ میں سے ایک پاکستانی اس وقت متاثر ہے۔ اسکی وجہ سے ۲۰ ملین لوگ متاثر ہوئے ہیں۔ اور اس کے بعد جو پانی کے ذریعے بیماریاں پھیلیں گی اُس میں کتنے ہی لاکھوں کا اضافہ ہوگا۔ کیونکہ وہ بیماریاں محدود نہیں رہیں گئیں۔ ان کا تمام ملک میں پھیلنے کا خطرہ ہے۔ اور اگر یہ اندازہ ہم اپنے دماغ میں رکھیں تو یہ بھی ہمارے دماغ سوچنے پر مجبور ہونے چاہیں کہ ایسی آفت کیوں آئی ہے۔ اور یہ ایسی آفت جس کا زلزلہ سے بڑھ کر اثر اس لئے ہے کہ زلزلہ ایک محدود جگہ پر آیا کرتا ہے۔ ہر ایک کو پتہ ہوتا ہے کہ بالاکوٹ، مظفر آباد اور مانسہرہ میں زلزلہ آیا ہے۔ تمام مدد اور ہر ذریعہ سے دنیا کے لوگ اُس مخصوص مقام پر پہنچ کر مدد کرتے رہے یا پہنچاتے رہے۔ لیکن یہ ایسا واقع ہے جس میں پاکستان کے تمام صوبے متاثر ہوئے ہیں۔ اور جو لوگ بچ گئے ہیں ان کا رابطہ کٹ گیا ہے۔ سڑکیں ٹوٹ گئی ہیں اور ریل کا ذریعہ بھی منقطع ہو گیا ہے۔ پل ٹوٹ گئے ہیں اور وہاں تک مدد پہنچانا بھی مشکل ہے۔ اور یہ دل کو کھا جانے والی خبریں آ رہی ہیں کہ بچے بھوک سے مر رہے ہیں، بیماریوں سے مر رہے ہیں اور لوگ ایک دوسرے سے بچھڑ گئے ہیں اور گھر تباہ ہو گئے ہیں جن کی تلافی کے لئے کافی وقت اور سرمایہ درکار ہوگا۔ اس پس منظر میں میں ان آیات کو جو آپ کے سامنے پڑھی گئیں ہیں اُن کا ترجمہ اور تھوڑی تشریح میں بیان کروں گا۔ اور اس کے ساتھ ہی میں احمدیہ انجمن لاہور کے ہر فرد کو اپیل بھی کرتا ہوں کہ ان سیلاب کی تباہ کاریوں میں ہمیں بھی آگے بڑھ کر ہر طرح کی مدد کرنی چاہئے۔ کیونکہ جہاں پاکستان بننے میں ہمارے بزرگوں کا، ہماری جماعت کا بہت بڑا کردار ہے۔ وہاں پر ہم اس کی مشکل گھڑیوں میں یہ کبھی سوچ نہیں سکتے کہ ہم اس کی مدد کے لئے آگے نہ بڑھیں۔ جب یہ طوفان کا سلسلہ آیا تو میں ہالینڈ میں تھا تو ایک تراویح کے دوران معمولی سی پاکستان کے متعلق بات ہوئی تو اُسی وقت ۲۵۰۰ یورو جمع ہو گئے۔ اسکے علاوہ جرمنی سے یاسر عزیز نے بھی پوچھا کہ کیا ہم یہاں اپیل کر سکتے ہیں تو میں نے کہا! ہاں ضرور کریں۔ اور ٹرنیڈاڈ سے ڈاکٹر رفیق حمزہ صاحب کا بھی ای میل آیا ہے کہ ہم اپیل کر رہے ہیں۔ اس لئے لوگوں کو خود ہی پاکستان کے لئے دُکھ اور درد ہے اور اس میں سب پاکستانی خاص کر ہماری جماعت کے لوگ بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور مجھے پوری اُمید ہے انشاءاللہ ہماری طرف سے کافی رقم جمع ہو جائے گی۔

اب میں اُن آیات کے ترجمہ کی طرف آتا ہوں۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یَاَیُّھَا الرُّسُلُ اے رسولو! یہ مخاطب رسولوں کو ہے۔ پہلے میں سمجھا کہ شاید ترجمہ میں رسول کی جگہ رسولوں غلطی سے لکھا گیا ہے لیکن جب عربی سے چیک کیا تو ترجمہ رسولو ہی بنا یعنی تمام رسولوں کو مخاطب کیا ہے اور اس سے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہاں ایک اصول بیان کر رہے ہیں اور فرمایا کہ ''اے رسولو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور اچھے عمل کرو۔ میں اُسے جو تم کرتے ہو جانتا ہوں''۔ پہلی چیز یہ کہ رسولوں کو خدا تعالیٰ مخاطب کر کے تمام قوموں کو مخاطب کر رہا ہے۔ اور اس میں ہر ایک کے لئے یہ سوچنے کا مقام ہے کہ یہ رسول جو ہمارے ﷺ ہیں اور اُن کے

پیغام کو لانے والے گذشتہ تمام انبیاء اور اسلامی دور کے تمام محدثین اور مجددین ہیں اور اُن کے ذریعے خدا کا جو پیغام آیا ہے وہ ہم تمام کے لئے ہے اور ہمیں اُس کی طرف توجہ دینے کے لئے اپنے کان کھلے رکھنے چاہیں۔ اور اپنے دماغ اور دل سے سوچنا اور غور کرنا چاہئے کہ یہ قرآن کریم میں کیا کہا جا رہا ہے۔ بظاہر یہ صرف رسولوں کو کہا جا رہا ہے لیکن امام راغب نے کہا ہے کہ رسول کے ساتھ آپ کے برگزیدہ اصحاب بھی شامل ہیں۔ اور اسی طرح اس سے پہلی آیت جو حضرت مریم اور حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ہے اُس میں تمام اس وقت کی قومیں اور اُن کے حواری شامل ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کہتا ہے: ''کہ جو تم کرتے ہو وہ اس کو خوب جانتا ہے۔ اور یہ کہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو میرا تقویٰ کرو''۔ اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں کو ایک ہی مشن دے کر بھیجا اور وہ سب میں مشترک ہے۔

(۱) وہ اللہ تعالیٰ کی توحید **لا الہ الا اللّٰہ** کا پیغام لاتے ہیں (۲) جب یہ پیغام لاتے ہیں تو اُن پر آزمائشیں ٹوٹ پڑتی ہیں۔ (۳) اللہ تعالیٰ اُن کی حفاظت کرتا ہے اور اُن کے ساتھیوں کو نجات دلاتا ہے اور دنیا میں توحید قائم کر کے دکھاتا ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کا تقویٰ قائم ہو جاتا ہے۔ یہ چیزیں مشترک ہیں۔ اس لئے کہا وَ اِنَّ ھٰذِہٖٓ اُمَّتُکُمۡ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً کہ یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے۔ کیونکہ یہ ایک ہی پیغام لے کر آتی ہے۔ آگے آیت میں آتا ہے ''پھر اُنہوں نے اپنے دین کو آپس میں قطع کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ سب گروہ اس پر جو ان کے پاس ہے خوش ہیں۔''

آج کے حالات دیکھیں کہ اسلام کتنے فرقوں میں بٹ گیا ہے۔ اگر یہودیوں میں ۷۲ تھے تو اسلام میں ۷۳ فرقے ہیں۔ یہ کثرت تعداد کی طرف اشارہ ہے اور ہر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ باقی دوسرے سب کے سب کافر ہیں۔ صرف لاہوری احمدیہ جماعت ہے جو کہتی ہے کہ کوئی **لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ** کہنے والا کافر نہیں ہوسکتا۔ اگلی آیت میں ہے کہ ''سو انہیں اپنی جہالت میں ایک وقت تک پڑا رہنے دے۔ کیا یہ خیال کرتے ہیں یہ جو ہم ان کو مال اور بیٹوں سے مدد دے رہے ہیں۔ تو ہم ان کو بھلائی پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں بلکہ وہ محسوس نہیں کرتے۔ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں۔'' اب دو قسم کے لوگوں کا یہاں پر ذکر آتا ہے۔ کہ پیغام ایک ہوتا ہے لیکن اُس کو ماننے والے اس میں اپنی تشریحات کے ذریعہ تفرقہ ڈال دیتے ہیں۔ اگر آپ دیکھیں تو دنیا میں ادیان بڑھتے بڑھتے اتنے ہو گئے ہیں کہ آج کل کے اعداد و شمار کے مطابق دو ہزار چار سو (2400) ادیان دنیا میں ہیں۔ اور شاید ہر کوئی یہی سمجھ رہا ہے کہ اُن کا دین ٹھیک ہے باقی سارے غلط ہیں۔ ایک تو اس طرف اللہ نے توجہ دلائی ہے کہ خدا نے سب نبیوں کو ایک ہی پیغام دے کر بھیجا، لیکن اُن کے ماننے والوں نے اس میں تفرقہ پیدا کر دیا۔ اور اُن کے دل میں سے خدا کا خوف جاتا رہا اور یہ دنیا اور اُس کے مال کو اپنی کامیابی سمجھ بیٹھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ یہ کہتے ہیں کہ ''جو لوگ اپنے رب کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں'' وہ اللہ کے احکامات کی حقیقت کو سمجھ کر اسی پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ متقی کا بھی مطلب خدا سے ڈرتے رہنا ہے۔ اور اُس ڈر کی وجہ سے وہ اعمال کرتا رہتا ہے جو اللہ تعالیٰ اُس سے چاہتا ہے کہ وہ کرے۔ اور اُس چیز سے رکا رہتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ رکا رہے۔ اور جو اصل ایمان لانے والے ہیں اُن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''جو لوگ اپنے رب کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور وہ جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔'' منہ سے کہہ دینا کہ ہم قرآن پر ایمان لاتے ہیں، ہم سب آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ محض یہ ایمان نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ ''اے لوگو! ایمان لائے ہو تو ایمان کا حق ادا کرو''۔ ایمان لانا صرف قول سے ہی نہیں بلکہ فعل سے ہونا چاہئے۔ ''اور جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے''۔ ہم نے اپنے دلوں کو ٹٹول کر یہ دیکھنا ہے کہ ہم نے اپنے اندر کتنے بُت پال رکھے ہیں یا واقعی ہم **لا الٰہ الا اللّٰہ** پر ایمان لاتے ہیں اور شرک نہیں کرتے: ''اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ کہ وہ دیتے ہیں حالانکہ ان کے دل خوف سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔'' یُؤۡتُوۡنَ مَاۤ اٰتَوۡا بہ ''جو ان کو دیا گیا ہے اس میں سے وہ دیتے ہیں''۔ صدقے کے دینے پر بالخصوص قرآن کریم نے زور دیا ہے۔ اور اس میں اپنے مال کو مخلوقِ خدا کی خدمت کے لئے لگا دینے کو کہا گیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یُؤۡتُوۡنَ مَاۤ اٰتَوۡا تو خدا تعالیٰ نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے مال کو مخلوق کی خدمت کے لئے صرف کرتے ہیں۔ اور اُن کے دل ڈرتے ہیں کہ اَنَّھُمۡ اِلٰی رَبِّھِمۡ رٰجِعُوۡنَ کہ ان کو بالآخر اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ جس کا دل خدا سے نہیں ڈرتا، جس کا دل یہ بھول جاتا ہے کہ اُس نے خدا کی طرف لوٹ کر جانا ہے وہ مال سے چپک جاتا ہے جیسے کہ اسی کے ذریعے سے وہ ساری عمر گزار دے گا بلکہ یہ عمر سے بھی آگے لے جائے گا۔ لیکن جو یہ یقین رکھے کہ اُس نے لوٹ کے خدا کی طرف ہی جانا ہے

اُس کے دل میں سے اللہ مال کی محبت کو کم کر دیتا ہے۔ اور یہ لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں اور وہ ان کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا حکم ہے فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ایک دوسرے سے بڑھ بڑھ کر نیکی کرو۔ اگلی آیت میں ہے: ''اور ہم کسی شخص پر کچھ بوجھ نہیں ڈالتے مگر اس کی طاقت کے مطابق''۔ جہاں کہیں اپیل ہو۔ اللہ تعالیٰ نیکی کی تلقین کی تحریک کرتا ہے تو انسان یہ کہتا ہے کہ میرے پاس کیا ہے؟ میں کیا دے دوں؟ لیکن اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ وہ کسی شخص پر بے جا بوجھ نہیں ڈالتا۔ اور کسی کی ایک پائی قیمتی ہوتی ہے، کسی کے کروڑوں روپے۔ ''اور ہمارے پاس کتاب ہے جو سچ سچ بتا دیتی ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ ان کے دل اس سے غفلت میں ہیں۔'' یہ جو غفلت ہے اس سے جگانے کے لئے اللہ تعالیٰ آزمائشیں لاتا ہے۔ اور جو غلط اصولوں پر نکل پڑتے ہیں خدا تعالیٰ اُن کے لئے سزا لاتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''خدا تعالیٰ مالوں کے، زندگیوں کے، پھلوں کے نقصانات سے انسان کو آزماتا ہے''۔ تو یہ آزمانا جو ہے یہ صرف اللہ جانتا ہے۔ آج کل تباہ کاریاں اور آزمائش عذاب بن کر آئیں ہیں۔ ہم اس قابل نہیں کہ ہم اپنی اپنی مسجدوں میں، اپنے اپنے گھروں میں فتویٰ لگانے لگ جائیں کہ اللہ کا عذاب آ گیا ہے۔ گو ایسا ممکن ہو بھی سکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کبھی آزما کر جگاتا ہے اور کبھی عذاب دے کر تباہ بھی کر دیتا ہے اور باقیوں کو جگا بھی دیتا ہے اور اُن کا شعور بیدار کر دیتا ہے۔ اس آیت میں آتا ہے: ''یہاں تک کہ جب ہم ان کے آسودہ حال لوگوں کو عذاب میں پکڑیں گے تو اس وقت وہ چلانے لگیں گے۔ آج مت چلاؤ، تمہیں ہماری طرف سے کوئی مدد نہیں دی جائے گی''۔ یہ تو ایک بہت چھوٹے عذاب کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا۔ ہر قوم کو ایک چھوٹا عذاب ایک انتباہ ہوتی ہے۔ فرعون کو بار بار چھوٹے چھوٹے عذاب آتے رہے حتیٰ کہ ایک حد پر آ کر اللہ کی مہلت کا وقت ختم ہو گیا۔ اسی طرح مکہ میں جب قحط پڑا تو لوگوں کے لئے چھوٹی آزمائش تھی۔ لیکن اس سے وہ نہ جاگے۔ جب انسان پہلے جھٹکے سے نہیں جاگتا تو اس سے بڑا جھٹکا اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے۔ اگر کوئی زلزلہ سے نہیں جاگتا تو پھر سیلاب آ جاتے ہیں۔ اور اگر کوئی سیلابوں سے بھی نہ جاگے تو اس کے آگے کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

آپ ٹیلی ویژن پر دیکھیں تو لگتا ہے کہ جیسے قوم بے حس ہو چکی ہے۔ کل کا نظارہ دیکھا نہیں جارہا تھا کہ دو نوجوان لڑکوں کو ڈنڈے مار مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ پھر ان کے پاؤں باندھ کر کھمبوں سے لٹکا دیا گیا اور پولیس دیکھتی رہی۔ کسی نے اُف تک نہیں کیا۔ بچے بھی تماشا دیکھ رہے تھے۔ سیلاب سے بے گھر خواتین کو بھی ڈنڈے پڑتے ہم دیکھ رہے ہیں۔ مدد مانگنے والوں کے بھی سر پھٹتے ہم دیکھ رہے ہیں۔ کراچی اور سندھ اور دیگر صوبوں میں ہم Killing target بھی دیکھ رہے ہیں اور جو لوگ اپنے گھر چھوڑ کر اپنے سامان چھتوں پر رکھ کر آئے کہ یہ پانی کے ریلوں سے محفوظ رہیں۔ لیکن وہ جب واپس جاتے ہیں تو سامان لوٹا گیا ہوتا ہے۔ Gun mafia ہر جگہ پہنچ گیا ہے۔ لوگوں سے ان کی زمین اور مکان زبردستی قبضہ کر رہے ہیں اور اُن کے مویشی چھینے جا رہے ہیں۔ حالات دن بدن خراب اور تشویشناک ہو رہے ہیں۔ ہمارا اُس جماعت سے تعلق ہے جس کو مسیح موعودؑ نے دعا کرنے والی، خدا کو قریب پانے والی اور دعاؤں کا جواب پانے والی جماعت بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم ان لوگوں کے لئے بھی درد دل سے دعا کریں اور قوم کی سلامتی اور ملک کے استحکام کے لئے بھی دعا کریں۔ اور اللہ تعالیٰ ہماری دعاؤں کو قبول فرمائے۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے: ''میری آیتیں تمہارے سامنے پڑھی جاتی تھیں تو تم اپنی ایڑیوں پر اُلٹے پھر جاتے تھے۔'' بڑے بڑے خطیب بڑے بڑے خطبے دے رہے ہیں۔ ٹی وی پر، مسجدوں میں کیا نہیں کہا جارہا، لیکن عمل دیکھو تو وہی ''اپنی ایڑیوں پر اُلٹے ہی پھر رہے ہیں۔۔۔ اکڑتے ہوئے اسے مشغلہ بناتے ہوئے بکواس کرتے تھے۔'' اب قرآن جیسی کتاب میں جب ''بکواس'' جیسا لفظ آجاتا ہے تو یہ خدا تعالیٰ کوئی بڑے نرم الفاظ میں یہاں کچھ نہیں کہہ رہا۔ اُس کے ہاتھ میں سب طاقت ہے۔ ''تو کیا انہوں نے (اس) بات پر غور نہیں کیا بلکہ ان کے پاس وہ بات آئی ہے جو ان کے پہلے باپ دادوں کے پاس نہ آئی تھی۔ کیا انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا اس لیے وہ اس سے منکر ہیں۔'' اس زمانے میں بھی ایک خدا کی طرف سے جو محدث، مجدد اور امام وقت بن کر آیا اُس کو بھی لوگوں نے ٹھکرایا ہوا ہے۔ ''کیا انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا اس لیے وہ اس سے منکر ہیں۔'' ''کیا کہتے ہیں اسے جنون ہے بلکہ وہ ان کے پاس حق لایا ہے، اور ان میں سے اکثر حق کو ناپسند کرتے ہیں۔ اور اگر حق ان کی خواہش کے مطابق ہوتا تو آسمان اور زمین اور جو ہے بگڑ جاتے بلکہ ہم ان کے پاس اُن کی بڑائی (کا سامان) لائے ہیں سو وہ اپنی بڑائی سے منہ پھیرنے والے ہیں۔'' خدا تعالیٰ نے اُن کو عظمت دینے کے لئے پیغام بھیجا ہے وہ اُس سے پھر رہے ہیں۔ ''کیا تو اُن سے کچھ صلہ مانگتا ہے تو تیرے رب کا صلہ بہتر ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔'' آج زیادہ تر لوگ

یہ سوچ بیٹھے ہیں کہ سارا مال ہمارے پاس ہے اور ہمارے پاس ہی رہے گا۔ حکومتیں بھی یہی سمجھتیں ہیں۔ کہ طاقت اور سارے وسائل صرف ان ہی کی عزت اور عشرت کے لئے ہیں۔ لیکن اصل صلہ تو خدا کے پاس ہے جو موت کے بعد بھی عزت اور مسرت کا باعث ہوگا۔ ”اور یقیناً تو انہیں سیدھے رستہ کی طرف بلاتا ہے۔ اور وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، رستہ سے ہٹ رہے ہیں۔“ ہر مسلمان آخرت پر ایمان لاتا ہے۔ ہر انسان اللہ پر ایمان لاتا ہے، رسول پر ایمان لاتا ہے، کتاب پر، آخرت پر، ملائکہ پر ایمان لاتا ہے۔ لیکن یہ صرف زبانی زبانی ہی سب کچھ ہے۔ جب تک اس پر عمل نہ کیا جائے کہ آپ کا اللہ پر ایمان زندگی کے اعمال اور لوگوں سے بھلائی کرنے کے سلسلہ میں کس حد تک اثر انداز ہو رہا ہے؟ ہم اُس کی کتاب پر ایمان لائیں تو اللہ کے احکامات زندگی کے معاملات اور رویہ میں کس حد تک تبدیلی آئی ہے۔ ہم اُس کے رسول پر ایمان لائیں تو کیا ہم ایسے لوگ ہوگئے ہیں اور جو رستہ آخرت سنوارنے کا خدا تعالیٰ بتا رہا ہے کیا ہم اس پر چل رہے ہیں؟ بحیثیت قوم ہمیں یہ تجزیہ کرنا ہے، سارے پاکستان کو سوچنا ہے کہ ہم کس طرف جا رہے ہیں۔ اللہ ہم پر رحم کرے اور جو تکالیف ہیں انہیں دُور کردے۔ اس رکوع کی دو آخری آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”اور ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا، مگر وہ اپنے رب کے آگے نہ گرے اور یہ عاجزی کرتے ہی نہیں۔ یہاں تک کہ جب ہم ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے پھر ناگہاں وہ اس میں مایوس ہو جائیں گے۔“ آج کل وہ مایوسی کی حالت اور وہ عذاب کی شکل اور آزمائش کی گھڑی آن پہنچی ہے، خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کو امتحان سمجھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہماری قوم کو اس امتحان میں صبر اور استقامت پر قائم رکھے۔ لیکن جو حالات ہیں وہ بالکل مایوس کن ہیں۔

مذکورہ آیات میں قرآن کریم نے ہماری اور ہمارے ملک پر جو گزر رہی ہے، اس کا نقشہ پیش کیا ہے۔ کل میں سوچ رہا تھا سارے لوگ یہ توقع کرتے ہوں گے کہ خطبہ رمضان کے متعلق ہوگا۔ لیکن رمضان میں ہم اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرکے اپنی دعاؤں، نمازوں، تہجد میں، تراویح میں، قرآن کی تلاوت کرتے وقت خدا تعالیٰ سے معافی مانگیں نہ صرف اپنے لئے بلکہ اپنی پوری قوم کے لئے کہ اللہ ہمیں بچالے۔ دردمند لوگوں کے آنسوں تمام قوم کو بچا لیا کرتے ہیں۔ اور میں جب کل سوچ رہا تھا کہ کن آیات کو خطبہ کے لئے انتخاب کروں تو میں نے حضرت مولانا محمد علی صاحب کا انگریزی ترجمہ قرآن کو یہی دعا کرتے ہوئے کھولا کہ کوئی موضوع مل جائے۔ تو کھولتے ہی سورت مومنون کا یہی رکوع سامنے آگیا۔ تو میں نے اس کو پڑھنے پر سوچا کہ اللہ تعالیٰ کو شاید یہی منظور ہے کہ اس پر کچھ بیان کردوں اور اللہ تعالیٰ اُس کو پُر اثر بنائے گا۔

اس کے ساتھ ہی میں تمام دنیا کے احمدیوں سے اپیل بھی کرتا ہوں کہ اپنے جتنے ذرائع ہیں مثلاً فاروقی سلیمیٰ ٹرسٹ اور لوگوں کے عطیہ جات وغیرہ کے ذریعہ سیلاب زدگان کے لئے امداد اکٹھا کریں۔ تو اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی توفیق دے کہ ہم بھی اس کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ میں نظمیں انگریزی میں لکھا کرتا ہوں لیکن جو میرے ذہن میں اُس وقت خیالات آرہے تھے اُن کو میں نے اردو میں بھی لکھ دیا ہے وہ میں آپ کے سامنے پڑھ کر سناتا ہوں کہ موجودہ تباہ کاریوں اور بدامنی نے میرے دماغ پر کیا اثر کیا جب میں ہالینڈ میں راٹرڈیم میں تھا تو میں نے اردو میں چند شعر لکھے۔ اُردو کے وزن کا مجھے قطعاً کوئی دعویٰ نہیں ہے پس دردمندی کے جذبات کو تک بندی میں پرونے کی کوشش کی ہے۔ تا میرے درد اور ہمدردی کے جذبات آپ تک پہنچ جائیں۔

اب کے فصل کٹے گی تو لاؤں گا تیرا بھلا
منّی کے لئے نئی گڑیا باپ کی امید
بہا لے گیا سیلاب کا ریلا
نہ دیکھا عمر کو نہ پیری کو
نانی کی بیسا کی نانا کی تسبیح
بہا لے گیا سیلاب کا ریلا
بچا کر رکھی تھی جو پونجی بیٹی کے لئے
بہا لے گیا سیلاب کا ریلا
منے کی کتابیں منی کی گڑیا بھی
ہائے کتنا ظالم تھا سیلاب کا ریلا
وہ بکری جو دودھ دیتی تھی بندھی چوکٹ پر زیرِ آب آئی
گائے کو بہا لے گیا سیلاب کا ریلا

جو سیلاب بہنا چاہئے وہ ہماری آنکھوں سے بہنا چاہئے، اللہ تعالیٰ کی مدد مانگنے کے لئے، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے کے لئے۔ ملت کی حفاظت اور ملت کی وحدت کے لئے۔ ہماری دعاؤں کو اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل و کرم اور رحم سے نوح کی کشتی بنادے اور اس قوم کی نیا کو پار لگادے۔

معروف مذہبی عالم ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب کے دہشت گردی اور اس کے تدارک کے بارے میں فتوے کا مختصر جائزہ

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی جہاد کے بارے میں ایک صدی قبل تصریحات کی صداقت

خطبہ جمعہ فرمودہ عامر عزیز الازہری صاحب، بمقام جامع دارالسلام، لاہور

میں نے ابھی آپ کے سامنے سورۃ البقرہ کی آیات 204 سے 207 تک کی تلاوت کی ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے:

''اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے کہ جس کی بات دنیا کی زندگی میں تجھے تعجب میں ڈالتی ہے اور وہ اللہ کو اس پر گواہ بناتا ہے جو اس کے دل میں ہے اور وہ جھگڑا کرنے میں بہت سخت ہے۔ اور جب حاکم بنتا ہے تو ملک میں کوشش کرتا ہے کہ اس میں فساد ڈالے اور کھیتی اور نسل کو ہلاک کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ اور جب اسے کہا جاتا ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تو جھوٹی شیخی اسے گناہ میں لگا دیتی ہے۔ سو اس کے لئے دوزخ بس ہے اور یقیناً وہ بہت بری جگہ ہے۔ اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو بیچ ڈالتا ہے اور اللہ بندوں پر بہت مہربان ہے۔''

یہ آیات میں نے اس لئے تلاوت کی ہیں کہ ان کا تعلق موجودہ حالات سے ہے اور ان آیات میں تمام انسانوں کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً ایک پیغام دیا گیا ہے۔ اور وہ پیغام یہ ہے کہ ایسے لوگ بھی دنیا میں موجود ہیں اور ہر وقت ہوتے ہیں جو ظاہری الفاظ میں اور ظاہری انداز میں ایسی بات کرتے ہیں کہ ان کی بات بظاہر ایک اکسیر دکھائی دیتی ہے۔ اور وہ خوش کرنے والی بات ہوتی ہے۔ لیکن دراصل وہ جھگڑا پیدا کرنے کے لئے ایسی بات کرتے ہیں۔ ان کے ظاہری الفاظ کے اندر ایک فتنہ اور ایک فساد ہوتا ہے جس کی وجہ سے نسل انسانی کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ اور پھر ایسا ہی ایک شخص جس کے ظاہری الفاظ کے نعرے بہت اچھے لگتے ہیں۔ بظاہر وہ قوم کا نعرہ بھی لگاتا ہے وہ لوگوں کی اصلاح کا نعرہ بھی لگاتا ہے۔ وہ روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ لگاتا ہے جو لوگوں کو بہت اچھا لگتا ہے لیکن جب وہ حاکم بن جاتا ہے تو اس کے اقدامات سے ملک میں فساد، کھیتی اور نسل ہلاکت سے دوچار ہو جاتی ہے۔ یہ وہ فساد ہے جس کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ میں نے یہ موضوع اس لئے چنا ہے کہ ابھی حال ہی میں ہمارے ملک کے بڑے مذہبی عالم نے دہشت گردی اور اس کے علاج کے بارے میں ایک فتویٰ دیا ہے جو 600 صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ مشہور عالم ڈاکٹر طاہر القادری صاحب ہیں۔ انہوں نے جو کچھ کہا وہ میں آپ کے سامنے پیش کروں گا اور اس کے حوالہ سے بانی تحریک احمدیت کے نقطہ نظر کو بھی آپ کے سامنے بیان کروں گا۔

سب سے پہلے میں جماعت احمدیہ لاہور کی طرف سے پاکستان کے ایک جیّد عالم ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کی وفات پر گہرے دکھ اور غم کا اظہار کروں گا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ایک نیک انسان اور ایک بڑا دماغ جو ساری زندگی اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف رہا ہم سے جدا ہو گیا ہے۔ انسانوں میں کمزوریاں ہوتی ہیں۔ ان کی ان کمزوریوں کو اللہ تعالیٰ بخشے اور ان کی مغفرت فرمائے۔ انہوں نے بہت سے مواقع پر حق بات بھی کہی اور کہتے رہے۔ اکثر و بیشتر قرآن مجید اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کے بیانات اور نظریات علم اور اخلاص پر مبنی ہوتے تھے۔ بانی سلسلہ احمدیہ کی عیسائیت کے خلاف اور اسلام کی دفاع میں خدمات کا بھی ان کو اعتراف تھا۔ ہم ان کی قرآن مجید کی تعلیمات کی ترویج اور اشاعت کی کاوشوں کو سراہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت اور مغفرت فرماتا رہے اور ان کو اپنے صالحین میں داخل فرمائے۔

ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کا فتویٰ جو 600 صفحات پر مشتمل ہے اس کو پوری دنیا میں پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ اور اس فتویٰ کو BBC نے باقاعدہ کوریج دی یعنی آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک غیر معمولی نوعیت کا فتویٰ ہے جس میں انہوں نے 600 صفحات لکھنے کے بعد اس بات کو ثابت کیا ہے کہ چند مسلمان جو کچھ آج

کل اسلام کے نام پر اور جہاد کے نام پر قتل و غارت کر رہے ہیں وہ حرام ہے اور خلاف اسلام ہے۔ان کا یہ فتویٰ جنگ اخبار میں بھی اقساط میں شائع ہوا ہے۔اس میں سے میں آپ کو چند باتیں سناؤں گا۔انہوں نے اس سلسلہ میں قرآن مجید کی انہی آیات کا حوالہ دیا ہے جن کی میں نے ابھی تلاوت کی ہے۔اور وہ خود اس کے بعد لکھتے ہیں: ''گزشتہ کئی سالوں سے دہشت گردی کی اذیت ناک لہر نے امت مسلمہ کو بالعموم اور پاکستان کو بالخصوص بدنام کر رکھا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاں مسلمان مجموعی طور پر دہشت گردی کی مذمت اور مخالفت کرتے ہیں اور اسلام کے ساتھ اس کا دور کا رشتہ بھی قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں۔وہاں کچھ لوگ اس کی خاموش حمایت کرتے بھی دکھائی دیتے ہیں''۔

پھر آگے کہتے ہیں: ''یوں پورے اسلامی تصورِ جہاد کو خلط ملط کرتے رہتے ہیں۔اس سے نوجوان نسل کے ذہن بالخصوص اور کئی سادہ لوح مسلمانوں کے ذہن بالعموم پراگندہ اور تشقیق و ابہام کا شکار ہو رہے ہیں۔کیونکہ ایسے اقدامات کرنے والے مسلمانوں میں سے ہی اٹھتے ہیں''۔

پھر آگے لکھتے ہیں: ''صورتحال یہ ہے کہ اسلام کا نام سنتے ہی مغربی ذہنوں میں دہشت گردی کی تصویر ابھرنے لگتی ہے اس سے نہ صرف مغرب میں پرورش پانے والے مسلم نوجوان نسل انتہائی پریشان، متذبذب اور اضطراب انگیز ہیجان کا شکار ہے بلکہ پورے عالم اسلام کے نوجوان، اعتقادی، فکری اور عملی لحاظ سے متزلزل اور ذہنی انتشار میں مبتلا ہو رہے ہیں'' یعنی یہ ایک بہت بڑا چیلنج ہے مسلمانوں کے لئے کہ نوجوان مسلمان فکری لحاظ سے اور اعتقادی لحاظ سے اور عملی لحاظ سے تنزل کی طرف جا رہا ہے''۔

اور پھر آگے لکھتے ہیں: ''یہ غلط طرزِ فکر انہیں رفتہ رفتہ بے دین بنا رہا ہے جس کا نقصان پوری امت مسلمہ کی اگلی نسلوں کو ہوگا''۔اس کے بعد کہتے ہیں کہ: ''ان حالات میں ہم نے ضروری سمجھا کہ امت اسلامیہ کا دوٹوک موقف قرآن وسنت، کتب عقائد و فقہ کی روشنی میں واضح کر دیا جائے۔'' آگے چل کر وہ لکھتے ہیں: '' قرآن وحدیث، آثارِ اصحابہ، آئمہ کرام و فقیہہ کرام کے ناقابل تردید دلائل سے دہشت گردی کو خروج و بغاوت، فساد فی الارض اور کفریہ فعل قرار دینے کے بعد ہم نے ''دعوت فکر و اصلاح'' کے عنوان سے ان تمام ذمہ دار طاقتوں کو اس طرف متوجہ کیا ہے'' یعنی کہ یہ تمام خروج و بغاوت اور فساد فی الارض کفریہ افعال ہیں۔

پھر مزید لکھتے ہیں: ''اسلام امن و سلامتی اور محبت و مروت کا دین ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھوں مسلم و غیر مسلم سب بے گناہ انسانوں کے مال و جان محفوظ رہیں۔انسانی جان کا تقدس و تحفظ شریعت اسلامی میں بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔کسی بھی انسان کی ناحق جان لینا اور اسے قتل کرنا فعل حرام ہے بلکہ بعض صورتوں میں یہ عمل موجب کفر بن جاتا ہے''۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں: ''کبار آئمہ تفسیر و حدیث اور فقہاء و متکلمین کی تصریحات سمیت ۱۴سو سالہ تاریخ اسلام میں جملہ اہل علم کا فتویٰ یہی رہا ہے۔اپنی بات منوانے اور دوسروں کے موقف کو غلط قرار دینے کے لئے اسلام نے ہتھیار اٹھانے کے بجائے گفت و شنید اور دلائل سے اپنا عقیدہ و موقف ثابت کرنے کا راستہ کھلا رکھا ہے۔ہتھیار وہی لوگ اٹھاتے ہیں جن کی علمی و فکری اساس کمزور ہوتی ہے اور وہ جہالت و عصبیت کے ہاتھوں مجبور ہوتے ہیں۔ایسے لوگوں کو اسلام نے باغی قرار دیا ہے جن کا ٹھکانہ جہنم ہے''۔

پھر آگے لکھتے ہیں: ''شریعت اسلامیہ میں مسلم ریاست کے غیر مسلم شہریوں کے حقوق مسلم شہریوں کی طرح ہی ہیں۔بحیثیت انسان ان میں کوئی فرق نہیں یہی وجہ ہے کہ اسلامی قوانین میں مسلم اور غیر مسلم شہری قصاص میں اور دیت میں برابر ہیں۔غیر مسلم کو مسلم معاشرے میں مکمل شخصی اور مذہبی آزادی حاصل ہے۔'' پھر آگے لکھتے ہیں: ''اس سے بڑا تضاد تو شاید چشم فلک نے کبھی نہ دیکھا ہوگا غیر مسلم شہریوں اور غیر ملکی سفارتکاروں کو قتل کرنا یا انہیں حبسِ بے جا میں رکھنا قطعاً جائز نہیں۔جو ایسا کرتا ہے اس کا اسلام اور پیغمبر اسلام سے کوئی تعلق نہیں''۔پھر آگے لکھتے ہیں: ''اس لئے مسلم ریاست کے خلاف ہتھیار اٹھانے، اس کے نظم اور اتھارٹی کو چیلنج کرنے اور اس کے خلاف اعلان جنگ کرنے کی اسلام میں سخت ممانعت ہے۔اس عمل کو شرعاً بغاوت اور خروج کا نام دیا گیا ہے''۔مزید بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''دہشت گردی، قتل و غارت اور لوٹ مار اس کے خبث نیت یعنی اس کے مذموم عقاید و نظریات کی غماز ہے کہ صالح نظریات کی علامت ظلم و ستم اور سنگدلی ہے نا کہ رحم دلی۔لہذا باغی، مجرم، شرپسند ظالم اور جابر لوگ اپنی غلط کارروائیوں کے جھوٹے جواز کے لئے جو چاہیں تاویلات وضع کرتے رہیں ان کا اسلامی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں ہوگا''۔یعنی ڈاکٹر صاحب موصوف نے

قرآن مجید کی روشنی میں اور احادیث کا حوالہ دیتے ہوئے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ موجودہ جو دہشت گردی کی لہر ہے یا جو آج بعض مسلمانوں کے اندر جہاد کا غلط تصور پایا جاتا ہے یہ صرف غیر اسلامی ہی نہیں غیر شرعی بلکہ یہ بغاوت اور فساد فی الارض کے زمرے میں آتا ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیات جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہیں۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ یہی کہتا ہے کہ وہ اس زمین میں فساد ڈالتے ہیں اور کھیتی اور نسل کو ہلاک کرتے ہیں حالانکہ اسلام لوگوں کو کھیتی اگانے کا حکم دیتا ہے لوگوں کی کھیتیوں کو تباہ کرنے کا حکم نہیں دیتا۔ کھیتیاں اگانا لوگوں کو ذریعہ معاش فراہم کرنا ہے لیکن وہ دہشت گردی سے نسل کو ہلاک کرتے اور کھیتیوں کو برباد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فساد کو کسی رنگ میں پسند نہیں کرتا۔

ہم محترم ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کے اس فتویٰ کے لئے ان کے بے حد ممنوں ہیں۔ لیکن ہمارے بھائیوں کے لئے افسوسناک پہلو یہ ہے جس پر ہم سب کو کسی تعصب کے بغیر اور مسلمانوں کے سنجیدہ طبقہ کو ٹھنڈے ذہن سے غور کرنا چاہیے کہ حضرت مرزا صاحب نے بھی بالکل یہی الفاظ جو ڈاکٹر صاحب موصوف نے بیان کئے ہیں ۲۲ مئی ۱۹۰۰ء میں کہے تھے اور مسلمانوں کو جہاد کے حوالے سے اسلام کے امن پسند دین ہونے کی تعلیم کی طرف خاص توجہ دلائی تھی۔ میں حضرت مرزا صاحب کے الفاظ آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔ اور غور کرنے کا مقام ہے کہ علماء کرام نے ان کے انہی الفاظ پر انہیں کافر قرار دیا تھا۔ اور فتویٰ جاری کر دیا تھا کہ یہ شخص جہاد کا اور شریعت اسلامی کا انکار کرتا ہے۔

حضرت مرزا صاحب اپنی کتاب ''گورنمنٹ انگریزی اور جہاد'' میں لکھتے ہیں: ''یاد رہے کہ مسئلہ جہاد کو جس طرح پر حال کے اسلامی علماء نے جو مولوی کہلاتے ہیں سمجھ رکھا ہے اور جس طرح وہ عوام کے آگے اس مسئلہ کی صورت بیان کرتے ہیں ہر گز صحیح نہیں ہے۔ (یہ الفاظ قابل غور ہیں کہ سو سال پہلے جبکہ دہشت گردی کی لہر اس قدر شدید نہیں تھی ابھی لوگوں کا اس طریق پر قتل مقاتلہ ایسا نہ تھا۔ ٹھیک ہے لوگ جا کر انگریزوں کو اور سرکاری اہل کاروں کو مارتے تھے مگر یہ معدودے چند لوگ تھے) اس کا نتیجہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ وہ لوگ اپنے پر جوش وعظوں سے عوام وحشی صفات کو ایک درندہ صفت بنا دیں۔ اور انسانیت کی تمام پاک خوبیوں سے بے نصیب کر دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ جس قدر ایسے ناحق کے خون ان نادان اور نفسانی انسانوں سے ہوتے ہیں جو اس راز سے بے خبر ہیں کہ کیوں اور کس وجہ سے اسلام کو اپنے ابتدائی زمانہ میں لڑائیوں کی ضرورت پڑی تھی۔ ان سب کا گناہ ان مولویوں کی گردن پر ہے کہ جو پوشیدہ طور پر ایسے مسئلے سکھاتے رہتے ہیں جن کا نتیجہ دردناک خون ریزیاں ہیں۔ یہ لوگ جب حکام وقت سے ملتے ہیں تو اس قدر سلام سے جھکتے ہیں کہ گویا سجدہ کرنے کے لئے تیار ہیں اور جب اپنے ہم جنسوں کے جلسوں میں بیٹھتے ہیں تو بار بار اصرار ان کا اسی بات پر ہوتا ہے کہ یہ ملک دار الحرب ہے اور اپنے دلوں میں جہاد کرنا فرض سمجھتے ہیں اور تھوڑے ہیں جو اس خیال کے انسان نہیں ہیں۔ یہ لوگ اپنے اس عقیدہ جہاد پر جو سراسر غلط ہے اور قرآن وحدیث کے برخلاف ہے اس قدر جمے ہوئے ہیں کہ جو شخص اس عقیدہ کو نہ مانتا ہو اور اس کے خلاف ہو اس کا نام دجال رکھتے ہیں''۔

آج کل یہی تصویر آنکھوں کے سامنے ہے مسلمانوں نے خون ریزی کرنے کے بعد اپنے لوگوں کو نقصان پہنچانے کے بعد خود مسلمانوں کو قتل کرنے لگے ہیں۔ آج محترم ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے وہی فتویٰ دیا جو زمانے کے امام نے سو سال پہلے بیان کر دیا تھا اور لوگوں کو اس کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا تھا۔ لیکن اس وقت کے علماء نے ہی انہیں کافر اور دجال کہا۔

پھر حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں: ''اس جگہ ہمیں یہ بھی افسوس سے لکھنا پڑا ہے کہ جیسا کہ ایک طرف جاہل مولویوں نے اصل حقیقت جہاد کو مخفی رکھ کر لوٹ مار اور قتل انسان کے منصوبے عوام کو سکھائے اور اس کا نام جہاد رکھا ہے''۔ پھر آگے آپ فرماتے ہیں: ''بالآخر یاد رہے کہ اگرچہ ہم نے اس اشتہار میں مفصل طور پر لکھ دیا ہے کہ یہ موجودہ طریق غیر مذہب کے لوگوں پر حملے کرنے کا جو مسلمانوں میں پایا جاتا ہے جس کا نام وہ جہاد رکھتے ہیں یہ شرعی جہاد نہیں ہے بلکہ صریح خدا اور اس کے رسولؐ کے مخالف اور سخت معصیت ہے''۔

اب میں ڈاکٹر صاحب کے الفاظ کو دہراتا ہوں ذرا غور کریں۔ فرماتے ہیں: ''غیر مسلم شہریوں اور غیر ملکی سفارتکاروں کو قتل کرنا یا انہیں حبس بے جا میں رکھنا قطعاً جائز نہیں۔ جو ایسا کرتا ہے اس کا اسلام اور پیغمبر اسلام سے کوئی تعلق نہیں''۔ تقریباً اسی قسم کے الفاظ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں: ''یہ موجودہ طریق غیر مذہب کے لوگوں پر حملہ کرنے کا جو مسلمانوں میں پایا جاتا ہے جس کا نام وہ جہاد رکھتے ہیں

۔یہ شرعی جہاد نہیں بلکہ صریح خدا اور رسولؐ کے مخالف اور سخت معصیت ہے''۔ایک ہی الفاظ ہیں لیکن لکھنے والے دو مختلف لوگ ہیں۔ایک نے سو سال پہلے یہی پیغام لوگوں کو پہنچایا تھا۔ایک آج پہنچا رہے ہیں۔

پھر حضرت مرزا صاحب اس طرز فکر اور اس کے خطرناک نتائج کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلاتے ہیں: ''اور آخر میں نتیجہ اس کا اس گورنمنٹ کیلئے خود زحمتیں ہیں جو ملاؤں کے ایسے فتوؤں پر خاموش بیٹھا رہے۔کیونکہ آج کل ان ملاؤں اور مولویوں کی یہ عادت ہے کہ ادنیٰ اختلاف مذہبی کی وجہ سے ایک شخص یا ایک فرقہ کو کافر ٹھہرا دیتے ہیں اور پھر جو کافروں کی نسبت ان کے فتوے جہاد وغیرہ کے ہیں وہی فتوے ان کی نسبت بھی جاری کئے جاتے ہیں''۔

آج آپ دیکھیں تو پاکستان گورنمنٹ چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے کہ ہمارا سب سے بڑا مسئلہ دہشت گردی ہے۔یہ سب اس لئے ہے کہ گورنمنٹ ان کے فتوؤں پر خاموش بیٹھی رہی۔فساد فی الارض کو آپ نے جہاد قرار دیا ہوا ہے اور اس کی وجہ سے آپ کو یہ سب زحمت اٹھانا پڑ رہی ہے۔

پھر اس کے بعد حضرت مرزا صاحب ایک بہت ہی خوبصورت نقطہ بیان کرتے ہیں۔ڈاکٹر صاحب نے بھی اس کو تقریباً اسی طرح بیان کیا ہے۔لیکن حضرت مرزا صاحب نے اس جگہ مسلمانوں کو نہیں بلکہ عیسائیوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اور عجیب اتفاق یہ ہے کہ عیسائیوں کو تو خالق کے حقوق کی نسبت غلطیاں پڑیں۔اور مسلمانوں کو مخلوق کے حقوق کی نسبت یعنی عیسائی دین میں تو ایک عاجز انسان کو خدا بنا کر اس قادر اور قیوم کی حق تلفی کی گئی جس کی مانند نہ زمین میں کوئی چیز ہے اور نہ آسمان میں اور مسلمانوں نے انسانوں پر ناحق تلوار چلانے سے بنی نوع کی حق تلفی کی اور اس کا نام جہاد رکھا۔اور اس زمانہ کی بدقسمتی سے یہ دونوں گروہ ان دونوں قسم کی حق تلفیوں کو ایسا پسندیدہ خیال کرتے ہیں کہ ہر ایک گروہ جو اپنے عقیدہ کے موافق ان دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی حق تلفی پر زور دے رہا ہے وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ وہ اس سے سیدھا بہشت کو جائے گا اور اس سے بڑھ کر کوئی بھی ذریعہ بہشت کا نہیں''۔

حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ عیسائیوں نے خدا کی حق تلفی کی ہے ایک نے خدا کے عاجز انسان کو جس کو اللہ نے نبی بنا کر بھیجا تھا اس کو خدا کا بیٹا بنا دیا اور خدا کی حق تلفی کی اور مسلمانوں نے مخلوق کی حق تلفی کی اور اسلام کے تصور جہاد کو غلط عمل کے طور پر پیش کیا اور اس کا نام جہاد رکھ دیا۔اور اگرچہ خدا کی حق تلفی کا گناہ سب گناہوں سے بڑھ کر ہے لیکن اس جگہ ہمارا یہ مقصود نہیں ہے کہ اس خطرناک حق تلفی کا ذکر کریں بلکہ ہم اس جگہ مسلمانوں کو اس حق تلفی پر متنبہ کرنا چاہتے ہیں جو بنی نوع کی نسبت اس سے سرزد ہو رہی ہے۔یعنی آپ ذرا غور کریں کہ اگر آپ حضرت عیسیٰؑ کو خدا اور خدا کا بیٹا مان لیتے ہیں تو آپ بہشتی ہیں۔اور جنت میں جانے کا یہی وہ تصور ہے جس پر عیسائیت کا پورا زور ہے۔ادھر مسلمانوں نے یہ عقیدہ اپنا لیا ہے کہ جہاد کرو مارے جاؤ تو جنت میں جاؤ گے۔

سو سال پہلے حضرت مرزا صاحب اس بارے میں زیادہ زوردار الفاظ میں فرماتے ہیں:

''اس کو غور سے پڑھو۔اے اسلام کے عالموں اور مولویو میری بات سنو! میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اب جہاد کا وقت نہیں ہے۔خدا کے بعد نبی پاکؐ کے نافرمان مت بنو۔مسیح موعود جو آنے والا تھا آچکا ہے اور اس نے حکم بھی دیا کہ آئندہ مذہبی جنگوں سے جو تلوار اور کشت وخون کے ساتھ ہوتی ہیں، باز آجاؤ۔تو اب بھی خونریزی سے باز نہ آنا اور ایسے وعظوں سے منہ بند نہ کرنا طریق اسلام نہیں ہے''۔

حضرت مرزا صاحب علماء کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ طریق جس کے ذریعہ تم اسلام کو پہنچانا چاہتے ہو۔اس کے ذریعے صرف اور صرف بدامنی اور لوگوں کے اندر خون ریزی اور حق تلفی کا جذبہ پیدا ہوگا۔اس سے اسلام کی تم کوئی خدمت نہیں کر سکتے۔

آج 2010ء میں ایک سو دس سال کے بعد محترم ڈاکٹر طاہر القادری صاحب بالکل وہی فتویٰ دے رہے ہیں کہ مسلمانوں کو دوسروں کی حق تلفی سے باز آنا چاہیے اور وہ یہ فتویٰ دے رہے ہیں کہ تمام وہ لوگ جو اس طرح کی دہشت گردی میں شامل ہیں اور اس کو جہاد سمجھتے ہیں، ان کا یہ عقیدہ خلاف اسلام، خلاف قرآن۔خلاف فقہ اور خلاف آئمہ۔یہ طریق گذشتہ تمام فتوؤں کے خلاف ہے۔ جیسا کہ رسول کریمؐ نے فرمایا تھا کہ جو لوگ زمانہ کے امام کو نہیں پہنچانتے وہ جہالت کی موت مرتے ہیں۔سو سال تک علماء لوگوں کو یہی فتویٰ دیتے رہے اور آج بھی دے رہے ہیں کہ تم جہاد کرو لیکن اب حالات نے ان کو سوچنے پر مجبور کر دیا ہے اور ان کو یہ احساس ہونا شروع ہو گیا ہے کہ جہاد کے جس مفہوم کی وہ زور سے تلقین

کرتے تھے اس کے نتائج اب خود مسلمان قوم کو بھگتنے پڑ رہے ہیں۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے فرمایا تھا کہ میں اسلام کی جو تصویر لے کر آیا ہوں اسی کے ساتھ اسلام کی فتح وابستہ ہے۔ باقی کسی اور قسم کی تصویر کے ساتھ آپ اسلام کو دنیا میں پیش نہیں کر سکتے۔ نہ آپ جہاد کی مروجہ تعلیم کو لے کر لوگوں کے پاس جاسکتے ہیں نہ قتل مرتد کی تعلیم کو لے کر جاسکتے ہیں اور نہ حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر بیٹھا کر آپ اسلام کو دنیا میں پھیلا سکتے ہیں۔ اگر آپ اسلام کو دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں اور اگر اسلام کو دنیا پر غالب کرنا چاہتے ہیں تو صرف ایک طریقہ ہے کہ وہ فکر جو حضرت مرزا صاحب نے دی ہے جو قرآن اور رسول کریمؐ کی تعلیم کے عین مطابق ہے ان سے ہٹ کر قطعی نہیں اسی سے اسلام کی فتح ہے۔ اور بالکل یہی بات تقریباً انہی الفاظ میں ڈاکٹر طاہر القادری صاحب فرمارہے ہیں کہ قرآن اور حدیث، آثار اصحابہ وآئمہ کرام کے ناقابل تردید دلائل سے دہشت گردی خروج، بغاوت، فساد فی الارض، اور کفریہ فعل ہیں۔ یہی الفاظ حضرت مرزا صاحب نے فرمائے کہ جہاد کا یہ تصور جو تم لئے بیٹھے ہو یہ تمہیں تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کرے گا۔

قرآن مجید مسلمانوں کو صحیح نظریہ اور عمل کو اختیار کرنے کی طرف سوچنے کی دعوت دیتا ہے کہ:

''وہ جب حاکم بنتا ہے تو ملک میں کوشش کرتا ہے کہ اس میں فساد ڈالے۔کھیتی کو اور نسل کو ہلاک کرے اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا'' فساد سے روکا ہے، نسلوں کو آباد کرنے کا حکم دیا ہے، کھیتیوں کو آباد کرنے کا حکم دیا ہے۔ انہیں تباہ کرنے کا حکم نہیں دیا۔ ان کی آباد کاری کرنے کا حکم دیا ہے۔

صورت حال یہ ہے کہ آج کل اس میں صرف مسلمان ہی شامل نہیں اس طرح کا فساد مغربی اقوام بھی کر رہی ہیں۔ وہ مغربی اقوام جن کو رسول کریمؐ نے دجال قرار دیا ہے وہ بھی یہی کام کر رہی ہیں۔ ان کی ظاہری باتوں سے ایسا نظر آتا ہے کہ گویا وہ انسانیت کی بھلائی اور ترقی کی بڑی دعویدار ہیں۔ انہوں نے انسانوں کی محبت اور مخلوق کی ہمدردی کے لئے بڑے بڑے ادارے قائم کر رکھے ہیں۔ لیکن وہی لوگ دوسرے ملکوں پر حملہ کرتے ہیں اور ان کی سب اخلاقیات ختم ہو جاتی ہیں۔ ان کے نزدیک معصوم جانوں کو مارنا ان کا قتل کرنا اور فساد فی الارض کرنا، کھیتی کو تباہ کرنا۔ نسل کو تباہ کرنا یہ سب افعال ان کے نزدیک انصاف اور امن قائم کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ ہم نے عراق اور افغانستان میں اس کا مظاہرہ دیکھا۔ وہاں کے معصوم لوگوں کی جانوں سے کھیلا گیا۔ ہمیں وہاں مغربی تہذیب کا وہی رنگ نظر آتا ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اشارہ کیا ہے کہ کوئی بھی انسان ہو وہ مسلمان ہو یا کسی اور مذہب سے تعلق رکھتا ہو اگر وہ اللہ کے اس قانون کو توڑے گا تو وہ فساد فی الارض کرے گا یعنی کھیتیوں کو تباہ کرنا، نسل کو ہلاک کرنا ، اللہ تعالیٰ اس کو پسند نہیں کرتا۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ فساد نہ کرو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تو انہیں عزت اور جھوٹی شیخی زیادہ گناہ میں لگا دیتی ہے۔ اور دوزخ کی سزا ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ ہمارے علماء بھی اس جھوٹی شیخی میں مبتلا ہیں اور آج تک جہاد کے غلط مفہوم کی تعلیم دے رہے ہیں۔

پھر قرآن مجید ان لوگوں کا ذکر کرتا ہے جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے خود کو بیچ ڈالتے ہیں۔ یہ جو اپنے آپ کو بیچ ڈالنا ہے وہ انہی لوگوں کے لئے ہے جو حضرت مرزا صاحب کے ساتھ ہو کر چلے۔ امام وقت نے تمام مخالفتوں کو برداشت کیا۔ اگر آپ چاہتے تو شہرت کی خاطر یہ خطرہ مول نہ لیتے بلکہ وہی سوچ اور راہ اختیار کر لیتے جس طرح علماء کرام چاہتے تھے۔ اور آپ ان کے سامنے ایک بڑے عالم کی حیثیت سے ابھر کر آئے تھے۔ آپ ایسی کوئی بات نہ کرتے جس کی وجہ سے آپ کی شہرت کو کوئی نقصان پہنچتا۔ خاموشی اختیار کرتے۔ جہاد کے متعلق کوئی بات نہ کرتے اور یہ رویہ اختیار کرتے کہ مجھے تو سب مانتے ہیں۔ میری تو واہ واہ ہو رہی ہے خواہ مخواہ کیوں مخالفت کھڑی کروں۔ لیکن حضرت مرزا صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جو اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں بیچ ڈالتے ہیں۔ ان کو کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ دنیا ان کے ساتھ کیا سلوک کرے گی۔ آپ نے اس وقت حق کی بات کہی کہ یہ جہاد کا تصور مسلمانوں کے لئے خطرناک ہے اس کے لئے آپ نے ذلت برداشت کر لی۔ لیکن آج سو سال گذرنے کے بعد ایک شخص پی، ایچ، ڈی کرنے کے بعد اور بڑی تحقیق کرنے کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے۔ اور اسی نکتہ کو بیان کرتا ہے جو گاؤں میں رہنے والے ایک مقرب الٰہی انسان کو خدا تعالیٰ نے بتایا تھا۔ اس کی اہمیت اور اس کا درجہ ہمیں واضح طور پر زیادہ نظر آرہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو فساد کی راہوں سے بچاتا رہے۔ اور ہم سب کو قرآن مجید کی وہ صحیح تعلیم جو زمانے کے امام حضرت مرزا صاحب نے ہمارے سامنے رکھی ہے جو قرآن مجید کی خوبصورت تعلیم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کو سمجھنے کی اس پر عمل کرنے کی اور اس کو لوگوں کے سامنے پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

صاحبزادہ سید عبداللطیف شہید کی یاد میں

''اے کابل کی زمین تو گواہ رہنا کہ تیرے پر سخت جرم کا ارتکاف کیا گیا۔ اے بدقسمت زمین تو خدا کی نظر سے گر گئی کہ تو اس ظلم عظیم کی جگہ ہے''

''اے عبداللطیف! تیرے پر ہزاروں رحمتیں کہ تو نے میری زندگی میں ہی اپنے صدق کا نمونہ دکھایا''۔ حضرت مسیح موعودؑ

از محترمہ جسارت نذر رب صاحبہ (ایم۔اے)

تلخی کی زندگی کو کرو صدق سے قبول
تا تم پہ ہو ملائکہ عرش کا نزول
جو مر گئے انہی کے نصیبوں میں ہے حیات
اس راہ میں زندگی نہیں ملتی بجز ممات

حضرت صاحبزادہ شہزادہ سید عبداللطیف شہید جنہیں 14 جولائی 1903ء کو کابل میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا پڑا، افغانستان میں ایک مثالی اور خدانما شخصیت تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے آپ کے دردناک واقعات شہادت کی تفصیلات نہایت درد و الم میں ڈوبے ہوئے مگر عارفانہ انداز میں سپردِ قلم فرمائی ہیں۔ اور اپنی تالیف ''تذکرۃ الشہادتین'' کے ابتدائیہ میں خلاصتہً بیان فرمایا ہے کہ:

''بلاشبہ اس طرح ان کا مرنا اور میری تصدیق میں نقد جان خدا تعالیٰ کے حوالے کرنا یہ میری سچائی پر ایک عظیم الشان نشان ہے۔ مگر ان کے لئے جو سمجھ رکھتے ہیں۔ انسان شک وشبہ کی حالت میں کب چاہتا ہے کہ اپنی جان دے دے۔ اور اپنی بیوی اور بچوں کو تباہی میں ڈالے۔ پھر عجب تو یہ کہ یہ میرے بزرگ معمولی انسان نہیں تھے۔ بلکہ ریاست کابل میں کئی لاکھ کی ان کی اپنی جاگیر تھی اور انگریزی عملداری میں بھی بہت سی زمین تھی۔ اور طاقت علمی اس درجہ تک تھی کہ ریاست نے تمام مولویوں کا ان کو سردار قرار دیا تھا۔ وہ سب سے زیادہ عالم، عالم قرآن اور حدیث اور فقہ میں سمجھے جاتے تھے اور نئے امیر کی دستار بندی کی رسم بھی انہی کے ہاتھ سے ہوتی تھی۔ ریاست کابل میں پچاس ہزار کے قریب ان کے معتقد اور ارادتمند تھے جن میں سے بعض ارکان ریاست بھی تھے۔ غرض یہ بزرگ ملک کابل میں ایک فرد تھا۔ اور کیا علم کے لحاظ سے اور کیا تقویٰ کے لحاظ سے اور کیا جاہ و مرتبہ کے لحاظ سے اور کیا خاندان کے لحاظ سے اس ملک میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا ---۔ مگر یہ شخص ایسا بے نفس تھا کہ باوجودیکہ ایک مجموعہ فضائل کا جامع تھا۔ مگر تب بھی کسی حقیقت حقہ کے قبول کرنے سے اس کو اپنی علمی وعملی اور خاندانی وجاہت مانع نہیں ہو سکتی تھی، اور آخر سچائی پر اپنی جان قربان کی اور ہماری جماعت کے لئے ایک ایسا نمونہ چھوڑ گیا جس کی پابندی اصل منشاء خدا کا ہے ---۔ اے عبداللطیف! تیرے پر ہزاروں رحمتیں کہ تو نے میری زندگی میں ہی اپنے صدق کا نمونہ دکھایا'' (تذکرۃ الشہادتین ص ص 46-48)

حضرت صاحبزادہ صاحب افغانستان کے صوبہ پکتیا کے علاقہ خوست کے رہنے والے تھے۔ آپ کے گاؤں کا نام سید گاہ ہے جو کہ دریائے شمل کے کنارہ پر آباد ہے۔ پکتیا میں کئی گاؤں آپ کی ملکیت تھے۔ زرعی اراضی کا رقبہ سولہ ہزار کنال تھا۔ اس میں باغات اور پن چکیاں بھی تھیں۔ اس کے علاوہ ضلع بنوں میں بھی بہت سی زمین تھی۔ آپ کے والد صاحب کا نام سید محمد شریف تھا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا شجرہ نسب تو جل کر ضائع ہو گیا، لیکن میں نے اپنے بزرگوں سے سنا کہ ہم حضرت سید علی ہجویریؒ المعروف بہ داتا گنج بخش کی اولاد ہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ نے تحریر فرمایا ہے کہ بوقت شہادت صاحبزادہ صاحب کی

عمر 50 سال تھی۔ آپ تذکرۃ الشہادتین میں فرماتے ہیں: ’’قریباً پچاس برس کی عمر تک تنعم اور آرام میں زندگی بسر کی تھی‘‘۔ حضرت شہید کا قد درمیانہ تھا، ریش بہت گھنی نہ تھی، بال اکثر سیاہ تھے اور ٹھوڑی پر کچھ کچھ سفید تھے۔‘‘

حضرت صاحبزادہ صاحب نے ہندوستان میں کئی مقامات پر علوم مروّجہ کی تعلیم حاصل کی، جن میں امرتسر، لکھنو، دیوبند اور ضلع پشاور شامل ہیں۔ ان جگہوں پر ان کا مجموعی قیام کئی سال رہا۔ آپ عربی، فارسی، پشتو اور اردو زبان جانتے تھے۔

تحصیل علم کے بعد حضرت صاحبزادہ صاحب اپنے وطن واپس آ گئے اور سید گاہ میں قیام کر کے علوم دینیہ کی تعلیم و تدریس اصلاح احوال، قیام سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور تربیت خلق میں مصروف ہو گئے۔

حضرت صاحبزادہ صاحب بڑے محقق انسان تھے۔ آپ ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے کہ یہ زمانہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس وقت کوئی مصلح مبعوث کیا جائے اور آپ اکثر امام مہدی کے زمانہ اور علامات کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

’’جب خدا نے زمانہ کی موجودہ حالت کو دیکھ کر اور زمین کو طرح طرح کے فسق اور معصیت اور گمراہی سے بھرا ہوا پا کر مجھے دعوت حق اور اصلاح کے لئے مامور فرمایا۔۔ انہیں دنوں میں جب کہ متواتر یہ وحی خدا کی مجھ پر ہوئی اور نہایت زبردست اور قوی نشان ظاہر ہوئے اور میرا دعویٰ مسیح موعودؑ ہونے کا دلائل کے ساتھ دنیا میں شائع ہوا تو خوست علاقہ حدود کابل میں ایک بزرگ تک جن کا نام اخوندزادہ مولوی عبد الطیف ہے، کسی اتفاق سے میری کتابیں پہنچیں۔ چونکہ وہ بزرگ نہایت پاک باطن اور اہل علم اور اہل فراست اور خدا ترس اور تقویٰ شعار تھے۔ اس لئے ان کے دل پر ان دلائل کا قوی اثر ہوا اور ان کو اس دعویٰ کی تصدیق میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ اور ان کی پاک کانشس نے بلا توقف مان لیا کہ یہ شخص من جانب اللہ ہے اور یہ دعویٰ صحیح ہے۔ تب انہوں نے میری کتابوں کو نہایت محبت سے دیکھنا شروع کیا اور ان کی روح جو نہایت صاف اور مستعد تھی میری جانب کھنچی گئی، یہاں تک کہ انکے لئے بغیر ملاقات کے دور بیٹھے رہنا نہایت دشوار ہو گیا۔ جب وہ میرے پاس پہنچے تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ کن دلائل سے آپ نے مجھے شناخت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ سب سے پہلے قرآن ہے جس نے آپ کی طرف میری رہبری کی۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اسلام ایک مردہ کی حالت میں ہو رہا ہے اور اب وہ وقت آ گیا ہے کہ پردہ غیب سے کوئی منجانب اللہ مجدد دین پیدا ہو۔ انہی دنوں میں یہ آواز میرے کانوں تک پہنچی کہ ایک شخص نے قادیان ملک پنجاب میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور میں نے بڑی کوشش سے چند کتابیں آپ کی تالیف کردہ بہم پہنچائیں۔ اور انصاف کی نظر سے ان پر غور کر کے پھر قرآن کریم پر ان کو عرض کیا تو قرآن شریف کو ان کے ہر ایک بیان کا مصداق پایا۔‘‘

(تذکرۃ الشہادتین صفحات 3 تا 11)

حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں:

’’ان کی روح جو نہایت صاف اور مستعد تھی میری طرف کھینچی گئی یہاں تک کہ ان کے لئے بغیر ملاقات کے دور بیٹھے رہنا نہایت دشوار ہو گیا۔ آخر اس زبردست کشش اور محبت اور اخلاص کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اس غرض سے کہ ریاست کابل سے اجازت حاصل ہو جائے، حج کے لئے مصمم ارادہ کیا اور امیر کابل سے اس سفر کے لئے درخواست کی چونکہ وہ امیر کابل کی نظر میں ایک برگزیدہ عالم اور تمام علماء کے سردار سمجھے جاتے تھے۔ اس لئے نہ صرف ان کو اجازت ہوئی بلکہ امداد کے طور پر کچھ روپیہ بھی دیا گیا‘‘

پھر فرماتے ہیں:

’’وہ اجازت حاصل کر کے قادیان میں پہنچے اور جب مجھ سے ان کی ملاقات ہوئی تو قسم ہے اس خدا جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں نے ان کو اپنی پیروی میں اپنے دعویٰ کی تصدیق میں ایسا فنا شدہ پایا کہ جس سے بڑھ کر انسان کے لئے ممکن نہیں اور جیسا کہ ایک شیشہ عطر سے بھرا ہوا ہوتا ہے ایسا ہی میں نے ان کو اپنی محبت سے بھرا ہوا پایا اور جیسا کہ ان کا چہرہ نورانی تھا ایسا ہی ان کا دل مجھے نورانی معلوم ہوتا تھا۔‘‘ (تذکرۃ الشہادتین صفحات 9 تا 10)

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

’’وہ کئی مہینہ تک میرے پاس رہے اور اس قدر ان کو میری باتوں میں دلچسپی پیدا ہوئی کہ انہوں نے میری باتوں کو حج پر ترجیح دی اور کہا کہ میں اس علم کا محتاج ہوں جس سے ایمان قوی ہو اور علم عمل پر مقدم ہے۔ سو میں نے ان کو مستعد پا کر جہاں تک میرے لئے ممکن تھا اپنے معارف ان کے دل میں ڈالے۔ پھر وہ اس جگہ سے معرفت اور محبت الہیہ سے معمور ہو کر واپس اپنے وطن کی طرف گئے۔‘‘

(تذکرۃ الشہادتین صفحات 11۔12)

حضرت اقدس آگے فرماتے ہیں:

''ایک صریح وحی الٰہی صاحبزادہ مولوی عبداللطیف صاحب مرحوم کی نسبت ہوئی تھی جب کہ وہ زندہ تھے بلکہ قادیان میں ہی موجود تھے۔۔۔۔۔ جو مولوی صاحب کے مارے جانے کے بارے میں ہے اور وہ یہ ہے کہ: ترجمہ: ''یعنی ایسی حالت میں مارا گیا کہ اس کی بات کو کسی نے نہ سنا اور اس کا مارا جانا ایک ہیبت ناک امر تھا یعنی لوگوں کو بہت ہیبت ناک معلوم ہوا اور اس کا بڑا اثر دلوں پر ہوا۔

(تذکرۃ الشہادتین صفحہ 75)

حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں:

''مولوی صاحب خوست علاقہ کابل سے قادیان میں آ کر کئی مہینہ میرے پاس اور میری صحبت میں رہے۔ پھر بعد اس کے جب آسمان پر یہ امر قطعی طور پر فیصلہ پا چکا کہ وہ درجہ شہادت پاویں تو اس کے لئے یہ تقریب پیدا ہوئی کہ وہ مجھ سے رخصت ہو کر اپنے وطن کی طرف واپس تشریف لے گئے۔'' (تذکرۃ الشہادتین صفحہ 49)

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

''مولوی صاحب جب سرزمین علاقہ ریاست کابل کے نزدیک پہنچے تو علاقہ انگریزی میں ٹھہر کر بریگیڈئر محمد حسین کوتوال کو جوان کا شاگرد تھا۔ ایک خط لکھا کہ آپ امیر صاحب سے میرے آنے کی اجازت حاصل کر کے مجھے اطلاع دیں تو امیر صاحب کے پاس بمقام کابل میں حاضر ہو جاؤں ۔ بلا اجازت اس لئے تشریف نہ لے گئے کہ وقت سفر امیر صاحب کو یہ اطلاع دی تھی کہ میں حج کو جاتا ہوں۔ مگر وہ ارادہ قادیان میں بہت دیر تک ٹھہرنے سے پورا نہ ہو سکا اور وقت ہاتھ سے جاتا رہا۔ قبل اس کے کہ وہ سرزمین کابل میں وارد ہوں اور حدود ریاست کے اندر قدم رکھیں، احتیاطاً قرین مصلحت سمجھا کہ انگریزی علاقے میں رہ کر امیر کابل پر اپنی سرگزشت کھولدی جائے کہ اس طرح پر حج کرنے سے معذوری پیش آئی۔ انہوں نے مناسب سمجھا کہ بریگیڈئر محمد حسین صاحب کو خط لکھیں تا کہ مناسب موقعہ پر اصل حقیقت مناسب لفظوں میں امیر کے گوش گذار کر دیں اور اس خط میں یہ لکھا کہ اگر چہ میں حج کرنے کے لئے روانہ ہوا تھا مگر مسیح موعودؑ کی مجھے زیارت ہوگئی اور چونکہ مسیح کے ملنے کے لئے اور اس کی اطاعت مقدم رکھنے کے لئے خدا اور رسول کا حکم ہے اس مجبوری سے مجھے قادیان ٹھہرنا پڑا اور میں نے اپنی طرف سے یہ کام نہ کیا بلکہ قرآن اور حدیث کی رو سے اسی امر کو ضروری سمجھا ۔ جب یہ خط بریگیڈئر محمد حسین کوتوال کو پہنچا تو اس نے وہ خط اپنے زانو کے نیچے رکھ لیا اور اس وقت پیش نہ کیا مگر اس کے نائب کو جو مخالف اور شریر آدمی تھا، کسی طرح پتہ لگ گیا کہ یہ مولوی صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کا خط ہے اور وہ قادیان میں ٹھہرے رہے۔ تب اس نے وہ خط کسی تدبیر سے نکال لیا اور امیر صاحب کے آگے پیش کر دیا۔ امیر صاحب نے بریگیڈئر محمد حسین کوتوال سے دریافت کیا کہ کیا یہ خط آپ کے نام آیا ہے۔ اس نے امیر کے موجودہ غیظ وغضب سے خوف کھا کر انکار کر دیا۔ مولوی صاحب شہید نے کئی دن پہلے خط کے جواب کا انتظار کر کے ایک اور خط بذریعہ ڈاک محمد حسین کوتوال کو لکھا۔ وہ خط امسر ڈاکخانہ نے کھول لیا اور امیر صاحب کو پہنچا دیا۔

چونکہ قضا و قدر سے مولوی صاحب کی شہادت مقدر تھی اور آسمان پر وہ برگزیدہ بزمرہ شہداء داخل ہو چکا تھا اس لئے امیر نے ان کے بلانے کے لئے حکمت عملی سے کام لیا اور ان کی طرف خط لکھا کہ آپ بلا خطر چلے آئیں۔ اگر یہ دعویٰ سچا ہو گا تو میں بھی مرید ہو جاؤں گا۔ اس خط کو دیکھ کر مولوی صاحب موصوف کابل کی طرف روانہ ہو گئے اور قضاء وقدر نے نازل ہونا شروع کر دیا۔'' (تذکرۃ الشہادتین صفحہ 49)

حضرت صاحب فرماتے ہیں:

''جب گھر میں تھے اور ابھی گرفتار نہیں ہوئے تھے اور نہ اس واقعہ کی کچھ خبر تھی، اپنے دونوں ہاتھوں کو مخاطب کر کے فرمایا، اے میرے ہاتھو! کیا تم ہتھکڑیوں کو برداشت کر لو گے؟ ان کے گھر کے لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا بات آپ کے منہ سے نکلی ہے! تب فرمایا کہ نماز عصر کے بعد تمہیں معلوم ہو گا کہ یہ کیا بات ہے۔ تب نماز عصر کے بعد حاکم کے سپاہی آئے اور گرفتار کر لیا اور گھر کے لوگوں کو انہوں نے نصیحت کی کہ میں جاتا ہوں اور دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم کوئی دوسری راہ اختیار کرو۔ جس ایمان اور عقیدہ پر میں ہوں چاہئے کہ وہی تمہارا ایمان اور عقیدہ ہو اور گرفتاری کے بعد راہ میں چلتے وقت کہا کہ میں اس مجمع کا نوشاہ ہوں۔''

(تذکرۃ الشہادتین صفحہ 126)

حضرت مسیح موعود آگے فرماتے ہیں:

''راویوں نے بیان کیا ہے کہ جب شہید مرحوم کابل کے بازار سے گذرے تو گھوڑے پر سوار تھے اور ان کے پیچھے آٹھ سرکاری سوار تھے اور ان کی تشریف

آوری سے پہلے عام طور پر کابل میں مشہور تھا کہ امیر صاحب نے اخوندزادہ صاحب کو دھوکا دے کر بلایا ہے۔ اب بعد اس کے دیکھنے والوں کا یہ بیان ہے کہ جب اخوندزادہ صاحب مرحوم بازار سے گذرے تو ہم اور دوسرے بہت سے بازاری لوگ ساتھ چلے گئے اور یہ بھی بیان کیا کہ آٹھ سرکاری سوار خوست سے ہی ان کے ہمراہ گئے تھے کیونکہ ان کے خوست میں پہنچنے سے پہلے حکم سرکاری ان کے گرفتار کرنے کے لئے حاکم خوست کے نام آچکا تھا۔'' (تذکرۃ الشہادتین صفحہ 50)

حضرت صاحب مزید فرماتے ہیں:

''جب امیر صاحب کے روبرو پیش کئے گئے تو مخالفوں نے پہلے سے ہی ان کے مزاج کو بہت کچھ متغیر کر رکھا تھا۔ اس لئے وہ ظالمانہ جوش سے پیش آئے اور حکم دیا کہ مجھے ان سے بو آتی ہے ان کو فاصلہ پر کھڑا کرو۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد حکم دیا کہ ان کو اس قلعہ میں جس میں خود امیر صاحب رہتے تھے قید کر دو۔ اور زنجیر غراب لگا دو۔ یہ زنجیر وزنی ایک من چوبیس سیر انگریزی کا ہوتا ہے۔ گردن سے کمر تک گھیر لیتا ہے اور اس میں ہتھکڑی بھی شامل ہے اور مزید حکم دیا کہ پاؤں میں بیڑی وزنی آٹھ سیر انگریزی کی لگا دو۔

پھر اس کے بعد مولوی صاحب مرحوم چار مہینہ قید میں رہے اور اس عرصہ میں کئی دفعہ ان کو امیر کی طرف سے فہمائش ہوئی کہ اگر تم اس خیال سے توبہ کرو کہ قادیانی درحقیقت مسیح موعود ہے تو تمہیں رہائی دی جائے گی۔ مگر ہر ایک مرتبہ انہوں نے یہی جواب دیا کہ میں صاحب علم ہوں اور حق و باطل کی شناخت کرنے کی خدا نے مجھے قوت عطا کی ہے۔ میں نے پوری تحقیق سے معلوم کر لیا ہے کہ یہ شخص درحقیقت مسیح موعود ہے۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ میرے اس پہلو کے اختیار کرنے میں میری جان کی خیر نہیں اور میرے اہل و عیال کی بربادی ہے مگر میں اس وقت اپنے ایمان کو اپنی جان اور ہر ایک دنیوی راحت پر مقدم سمجھتا ہوں۔ شہید مرحوم نے نہ ایک دفعہ بلکہ قید ہونے کی حالت میں بارہا یہی جواب دیا اور یہ قید انگریزی قید کی طرح نہیں تھی جس میں انسانی کمزوری کا کچھ کچھ لحاظ رکھا جاتا ہے بلکہ ایک سخت قید تھی جس کو انسان موت سے بدتر سمجھتا ہے۔ اس لئے لوگوں نے شہید موصوف کی اس استقامت اور استقلال کو نہایت تعجب سے دیکھا۔ اور درحقیقت تعجب کا مقام تھا کہ ایسا جلیل الشان شخص کہ جو کئی لاکھ کی ریاست کابل میں جاگیر رکھتا تھا اور اپنے فضائل علمی اور تقویٰ کی وجہ سے گویا تمام سرزمین کابل کا پیشوا تھا اور قریباً پچاس برس کی عمر تک تنعم اور آرام میں زندگی بسر کی تھی اور بہت سارے اہل و عیال اور عزیز فرزند رکھتا تھا۔ پھر یکدفعہ وہ ایسی سنگین قید میں ڈالا گیا جو موت سے بدتر تھی اور جس کے تصور سے بھی انسان کے بدن پر لرزا پڑتا ہے۔ ایسا نازک اندام اور نعمتوں کا پروردہ انسان وہ اس روح کے گداز کرنے والی قید میں صبر کر سکے اور جان کو ایمان پر فدا کر دے۔ بالخصوص جس حالت میں امیر کابل کی طرف سے بار بار ان کو پیغام پہنچتا تھا کہ اس قادیانی شخص کی تصدیق دعویٰ سے انکار کر دو تو تم ابھی عزت سے رہا کئے جاؤ گے۔ مگر اس قوی الایمان بزرگ نے اس بار بار کے وعدہ کی کچھ بھی پروانہ کی اور بار بار یہی جواب دیا کہ مجھ سے یہ امید مت رکھو کہ میں ایمان پر دنیا کو مقدم رکھ لوں اور کیونکر ہو سکتا ہے کہ جس کو میں نے خوب شناخت کر لیا اور ہر ایک طرح سے تسلی کر لی اپنی موت کے خوف سے اس کا انکار کر دوں۔ یہ انکار تو مجھ سے نہیں ہوگا۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ میں نے حق پا لیا اس لئے چند روزہ زندگی کے لئے مجھ سے یہ بے ایمانی نہیں ہوگی۔ کہ میں اس ثابت شدہ حق کو چھوڑ دوں۔ میں جان چھوڑنے کے لئے تیار ہوں اور فیصلہ کر چکا ہوں۔ مگر حق میرے ساتھ جائے گا۔ اس بزرگ کے بار بار کے یہ جواب ایسے تھے کہ سرزمین کابل کبھی ان کو فراموش نہیں کرے گی اور کابل کے لوگوں نے اپنی تمام عمر میں یہ نمونہ ایمانداری اور استقامت کا کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔

اس جگہ یہ بھی ذکر کرنے کے لائق ہے کہ کابل کے امیروں کا یہ طریق نہیں ہے کہ اس قدر بار بار وعدہ معافی دے کر ایک عقیدہ کے چھڑانے کے لئے توجہ دلائیں۔ لیکن مولوی عبداللطیف صاحب مرحوم کی یہ خاص رعایت اس وجہ سے تھی کہ وہ ریاست کابل کا گویا ایک بازو تھا اور ہزار ہا انسان اس کے معتقد تھے۔ وہ امیر کابل کی نظر میں اس قدر منتخب عالم فاضل تھا کہ تمام علماء میں آفتاب کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ پس ممکن ہے کہ امیر کو بجائے خود یہ رنج بھی ہو کہ ایسا برگزیدہ انسان علماء کی اتفاق رائے ضرور قتل کیا جائے گا۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ آج کل ایک طور سے عنان حکومت کابل کی مولویوں کے ہاتھ میں اور جس بات پر مولوی لوگ اتفاق کر لیں پھر ممکن نہیں کہ امیر اس کے برخلاف کچھ کر سکے۔ پس یہ قوی ترین قیاس ہے کہ ایک طرف امیر کو مولویوں کا خوف تھا اور دوسری طرف شہید مرحوم کو بے گناہ دیکھتا تھا۔ پس یہی وجہ ہے کہ وہ قید کی تمام مدت میں یہی ہدایت کرتا رہا کہ آپ

اس شخص قادیانی کو مسیح موعود مت مانیں اور اس عقیدہ سے توبہ کرلیں تب آپ عزت کے ساتھ رہا کردئے جاؤ گے۔

اور اسی نیت سے اس نے شہید مرحوم کو اس قلعہ میں قید کیا تھا کہ جس قلعہ میں وہ آپ رہتا تھا۔ تا متواتر فہمائش کا موقعہ ملتا رہے (تذکرۃ الشہادتین صفحہ 51)

''جب چار مہینے قید کے گذر گئے تب امیر نے اپنے روبرو شہید مرحوم کو بلا کر پھر اپنی عام کچہری میں توبہ کے لئے فہمائش کی اور بڑے زور سے رغبت دی کہ اگر تم اب بھی قادیانی کی تصدیق اور اس کے اصولوں کی تصدیق سے میرے روبرو انکار کرو تو تمہاری جان بخشی کی جائے گی اور تم عزت کے ساتھ چھوڑے جاؤ گے۔ شہید مرحوم نے جواب دیا کہ یہ تو غیر ممکن ہے کہ میں سچائی سے توبہ کروں اس دنیا کے حکام کا عذاب تو موت تک ختم ہو جاتا ہے لیکن میں اس سے ڈرتا ہوں جس کا عذاب کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔ ہاں چونکہ میں سچ پر ہوں اس لئے چاہتا ہوں کہ ان مولویوں سے جو میرے عقیدے کے مخالف ہیں میری بحث کرائی جائے۔ اگر میں دلائل کی رو سے جھوٹا نکلا تو مجھے سزا دی جائے۔ امیر نے اس بات کو پسند کیا اور مسجد شاہی میں خان بلا خان اور آٹھ مفتی بحث کے لئے منتخب کئے گئے اور ایک لاہوری ڈاکٹر جو خود پنجابی ہونے کی وجہ سے سخت مخالف تھا، بطور ثالث کے مقرر کر کے بھیجا گیا۔ بحث کے وقت مجمع کثیر تھا۔ مباحثہ تحریری تھا۔ صرف تحریر ہوتی تھی اور کوئی بھی بات حاضرین کو سنائی نہیں جاتی تھی، جب شہزادہ مرحوم کی ان بدقسمت مولویوں سے بحث ہو رہی تھی تب آٹھ آدمی برہنہ تلواریں لے کر شہید مرحوم کے سر پر کھڑے تھے۔ (تذکرۃ الشہادتین صفحہ 54)

شہید مرحوم سے یہ بھی پوچھا گیا کہ اگر مسیح موعودؑ یہی قادیانی شخص ہے تو پھر تم عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کیا کہتے ہو۔ کیا وہ واپس دنیا میں آئیں گے یا نہیں؟ تو انہوں نے بڑی استقامت سے جواب دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور اب وہ ہرگز واپس نہیں آئیں گے۔ تب وہ لوگ گالیاں دینے لگے اور کہا اب اس شخص کے کفر میں کیا شک رہا اور بڑی غضب ناک حالت میں یہ کفر کا فتویٰ لکھا گیا اور یہ عصر کا آخری وقت تھا۔'' (تذکرۃ الشہادتین صفحہ 54)

''پھر اس کے کہ فتویٰ کفر لگا کر شہید مرحوم کو قید خانہ میں بھیجا گیا۔ صبح روز دو شنبہ کو شہید موصوف کو سلام خانہ یعنی خاص مکان دربار امیر صاحب میں بلایا گیا اس وقت بھی بڑا مجمع تھا۔ امیر صاحب جب ارک یعنی قلعہ سے نکلے تو راستہ میں شہید مرحوم ایک جگہ بیٹھے تھے ان کے پاس سے ہو کر گذرے اور پوچھا کہ اخوندزادہ صاحب کیا فیصلہ ہوا۔ شہید مرحوم کچھ نہ بولے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان لوگوں نے ظلم پر کمر باندھی ہے مگر سپاہیوں میں سے کسی نے کہا ملامت ہو گیا یعنی کفر کا فتویٰ لگ گیا (تذکرۃ الشہادتین صفحہ 56)

''وہ فتویٰ کفر رات کے وقت امیر صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا اور یہ چالاکی کی گئی کہ مباحثہ کے کاغذات ان کی خدمت میں عملاً نہ بھیجے گئے اور نہ عوام پر ان کا مضمون ظاہر کیا گیا۔ یہ صاف اس بات کی دلیل تھی کہ مخالف مولوی شہید مرحوم کے ثبوت پیش کردہ کا کوئی رد نہ کر سکے۔ مگر افسوس امیر پر حالانکہ اس کو چاہیے تو یہ تھا کہ اس عادل حقیقی سے ڈر کر جس کی طرف عنقریب تمام دولت وحکومت کو چھوڑ کر واپس جائے گا، خود مباحثہ کے وقت حاضر ہوتا۔ بالخصوص جب کہ وہ خوب جانتا تھا کہ اس مباحثہ کا نتیجہ ایک معصوم بے گناہ کی جان ضائع کرتا ہے۔ تو اس صورت میں متقاضہ خداترسی کا یہی تھا کہ افتاں وخیزاں اس مجلس میں جاتا اور نیز چاہیے تھا کہ قبل ثبوت کسی جرم کے اس شہید مظلوم پر یہ سختی روا نہ رکھتا کہ ناحق ایک مدت تک قید کے عذاب میں اس کو رکھتا اور زنجیروں اور ہتھکڑیوں کے شکنجہ میں اس کو دبایا جاتا اور آٹھ سپاہی برہنہ شمشیروں کے ساتھ اس کے سر پر کھڑے کئے جاتے اور اس طرح ایک عذاب اور رعب میں ڈال کر اس کو ثبوت دینے سے روکا جاتا۔ پھر اگر اس نے ایسا نہ کیا تو عادلانہ حکم دینے کے لئے یہ تو اس کا فرض تھا کہ کاغذات مباحثہ کے اپنے حضور میں طلب کرتا بلکہ پہلے سے یہ تاکید کر دیتا کہ کاغذات مباحثہ کے میرے پاس بھیج دینے چاہیں اور نہ صرف اس بات پر کفایت کرتا کہ آپ ان کاغذات کو دیکھتا بلکہ چاہیے تھا کہ سرکاری طور پر ان کاغذات کو چھپوا دیتا کہ دیکھو کیسے یہ شخص ہمارے مولویوں کے مقابل پر مغلوب ہو گیا۔'' (تذکرۃ الشہادتین صفحہ 55)

''امیر صاحب جب اپنے اجلاس میں آئے تو اجلاس میں بیٹھتے ہی پہلے اخوندزادہ صاحب مرحوم کو بلایا اور کہا کہ آپ پر کفر کا فتویٰ لگ گیا ہے اب کہو کہ کیا توبہ کرو گے یا سزا پاؤ گے تو انہوں نے صاف لفظوں میں انکار کیا اور کہا کہ میں حق سے توبہ نہیں کرسکتا۔ کیا میں جان کے خوف سے باطل کو مان لوں۔ یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ تب امیر نے دوبارہ توبہ کیلئے کہا اور توبہ کی حالت میں بہت امید دی اور وعدہ معافی دیا۔ مگر شہید موصوف نے بڑے زور سے انکار کیا اور کہا کہ مجھ سے یہ امید

مت رکھو کہ میں سچائی سے توبہ کروں۔ جب شہید مرحوم نے توبہ کرنے کی فہمائش پر توبہ کرنے سے انکار کیا تو امیر نے ان سے مایوس ہو کر اپنے ہاتھ سے ایک لمبا چوڑا کاغذ لکھا اور اس میں مولویوں کا فتویٰ درج کیا اور اس میں یہ لکھا کہ ایسے کافر کو سنگسار کرنا سزا ہے تب وہ فتویٰ اخوندزادہ مرحوم کے گلے میں لٹکا دیا گیا۔(تذکرہ الشہادتین صفحہ 56)

''امیر نے حکم دیا کہ شہید مرحوم کے ناک میں چھید کر کے اس میں رسی ڈال دی جائے اور اسی رسی سے شہید مرحوم کو کھینچ کر مقتل یعنی سنگسار کرنے کی جگہ تک پہنچایا جائے چنانچہ اس ظالم امیر کے حکم سے ایسا ہی کیا گیا اور ناک کو چھید کر سخت عذاب کے ساتھ اس میں رسی ڈالی گئی۔ تب اسی رسی کے ذریعہ شہید مرحوم کو نہایت ٹھٹھے، ہنسی اور گالیوں اور لعنت کے ساتھ مقتل تک لے گئے۔ اور امیر اپنے تمام مصاحبوں کے ساتھ مع قاضیوں، مفتیوں اور دیگر اہل کاروں کے یہ دردناک نظارہ دیکھتا ہوا مقتل تک پہنچا اور شہر کی ہزار ہا مخلوق جن کا شمار کرنا مشکل ہے اس تماشہ کے دیکھنے کے لئے گئی۔ جب مقتل پہنچے تو شہزادہ مرحوم کو کمر تک زمین میں گاڑ دیا گیا اور پھر اس حالت میں جبکہ کمر تک زمین میں گاڑھ دیئے گئے تھے، امیر ان کے پاس گیا اور کہا کہ اگر تو قادیانی سے جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، انکار کرے تو اب بھی میں تجھے بچا لیتا ہوں، اب تیرا آخری وقت ہے اور یہ آخری موقعہ ہے جو تجھے دیا جاتا ہے اور اپنی جان اور اپنے عیال پر رحم کر۔

تب شہید مرحوم نے جواب دیا کہ نعوذ باللہ سچائی سے کیونکر انکار ہو سکتا ہے اور جان کی کیا حقیقت ہے اور عیال و اطفال کیا چیزیں ہیں جن کے لئے میں ایمان کو چھوڑ دوں، مجھ سے ایسا ہرگز نہیں ہوگا اور میں حق کے لئے مروں گا۔ تب قاضیوں اور فقیہوں نے شور مچایا کہ کافر ہے، کافر ہے، اس کو جلد سنگسار کرو۔ اس وقت امیر اور اس کا بھائی نصر اللہ خان اور قاضی اور عبدالاحد کمیدان یہ لوگ سوار تھے اور باقی تمام لوگ پیادہ تھے۔

جب ایسی نازک حالت میں شہید مرحوم نے بار بار کہہ دیا کہ میں ایمان کو جان پر مقدم رکھتا ہوں، تب امیر نے اپنے قاضی کو حکم دیا کہ پہلا پتھر تم چلاؤ کیونکہ تم نے کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ قاضی نے کہا کہ آپ بادشاہ وقت ہیں آپ چلائیں۔ تب امیر نے جواب دیا کہ شریعت کے تم ہی بادشاہ ہو اور تمہارا ہی فتویٰ ہے اس میں میرا کوئی دخل نہیں۔ تب قاضی نے گھوڑے سے اتر کر ایک پتھر چلایا۔ جس پتھر سے شہید مرحوم کو زخم کاری لگا اور گردن جھک گئی پھر بعد میں اس کے بدقسمت امیر نے اپنے ہاتھ سے پتھر چلایا پھر کیا تھا۔ اس کی پیروی سے ہزاروں پتھر اس شہید مرحوم پر پڑنے لگے۔ اور کوئی حاضرین میں سے ایسا نہ تھا جس نے اس شہید مرحوم کی طرف پتھر نہ پھینکا ہو یہاں تک کہ کثرت پتھروں سے شہید مرحوم کے سر پر ایک کوٹھہ پتھروں کا جمع ہو گیا۔

پھر امیر نے واپس ہونے کے وقت کہا کہ یہ شخص کہتا تھا کہ میں چھ روز تک زندہ ہو جاؤں گا اس پر چھ روز تک پہرہ رہنا چاہیے۔

شہزادہ عبد الطیف کے لئے جو شہادت مقدر تھی وہ ہو چکی، اب ظالم کی پاداش باقی ہے''اے کابل کی زمین تو گواہ رہنا کہ تیرے پر سخت جرم کا ارتکاب کیا گیا۔ اے بدقسمت زمین تو خدا کی نظر سے گر گئی کہ تو اس ظلم عظیم کی جگہ ہے۔ (تذکرۃ الشہادتین صفحات 47۔127)

افسوس کہ یہ امیر زیر آیت من یقتل مومنا متعمدا اخل ہو گیا اور ایک ذرہ خدا تعالیٰ کا خوف نہ کیا اور مومن بھی ایسا مومن کہ اگر تمام سرزمین میں اس کی نظر تلاش کی جائے تو تلاش کرنا لاحاصل ہے۔ ایسے لوگ اکسیر احمر کے حکم میں ہیں جو صدق دل سے ایمان اور حق کے لئے جان بھی فدا کرتے ہیں اور زن و فرد کی زندگی کی کچھ بھی پروا نہیں کرتے۔

اے عبد الطیف! تیرے پر ہزاروں رحمتیں کہ تو نے میری زندگی میں ہی اپنے صدق کا نمونہ دکھایا اور جو لوگ میری جماعت میں سے میری موت کے بعد رہیں گے میں نہیں جانتا کہ وہ کیا کام کریں گے۔''(تذکرۃ الشہادتین صفحہ 60)

''صبح ہوتے ہی کابل میں ہیضہ پھوٹ پڑا اور نصر اللہ خان حقیقی بھائی امیر حبیب اللہ خان کا جو اصل سبب اس خونریزی کا تھا، اس کے گھر میں ہیضہ پھوٹا اور اس کی بیوی اور بچہ فوت ہو گیا اور چار سو کے قریب ہر روز آدمی مرتا تھا اور شہادت کی رات آسمان سرخ ہو گیا۔''

''جب شہید مرحوم کو ہزاروں پتھروں سے قتل کیا گیا تو انہیں دنوں میں سخت ہیضہ کابل میں پھوٹ پڑا اور بڑے بڑے ریاست کے نامی اس کا شکار ہو گئے اور بعض امیر کے رشتہ دار اور عزیز بھی اس جہان سے رخصت ہوئے۔

(تذکرۃ الشہادتین صفحہ 74)

حضرت امیر ایدہ اللہ اور مسز زبیدہ احمد (نمائندہ سینٹرل انجمن)

کی ٹرینیڈاڈ کنونشن میں شمولیت کی تصویری جھلکیاں

حضرت امیر ایدہ اللہ کی مسجد نیو گرانٹ کی 65 سالہ تقریب میں شمولیت اور خطاب ،

نیو گرانٹ میں حضرت امیر ایدہ اللہ خطبہ جمعہ دیتے ہوئے۔

ٹرینیڈاڈ کنونشن کی تصویری جھلکیاں۔ جس میں حضرت امیر ایدہ اللہ کا خطاب
بیعت کا منظر اور مسز زبیدہ احمد صاحبہ کو جماعت کی طرف سے گولڈ میڈل
حضرت امیر ایدہ اللہ اور مسز زبیدہ احمد صاحبہ احمدیہ مسلم لٹریری ٹرسٹ کے ممبران کے ساتھ
حضرت امیر ایدہ اللہ اور مسز زبیدہ احمد صاحبہ کی شام کے کنونشن میں شمولیت

حضرت امیر ایدہ اللہ کی مختلف جماعتوں کے سٹالوں پر آمد

حضرت امیر ایدہ اللہ کمال ہائیڈل صاحب کی فیملی کے ساتھ

حضرت امیر ایدہ اللہ کی عنایت محمد صاحب سے ملاقات

(تعزیت بیگم عنایت صاحبہ اور عنایت صاحب کی صحت کے لئے دعا کی)

بین الاقوامی مندوبین کی خصوصی نشست

یکم شوال 1359ھ
2- نومبر 1940ء

روزوں اور عید کا حیات افروز سبق

مشقت وراحت لازم وملزوم ہیں۔اپنے آپ کو محنت وتکلیف کا عادی بنائیں

(خطبہ عید الفطر حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ)

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولاناؒ نے آیات ذیل کی تلاوت کی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآ لِّیْنَ (1:1-7)

ترجمہ: سب تعریف اللہ کے لیے ہے (تمام) جہانوں کے رب، بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے جزا کے وقت کے مالک (کے لیے) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں تو ہم کو سیدھے رستے پر چلا۔ ان لوگوں کے رستے (پر) جن پر تو نے انعام کیا نہ ان کے جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کے۔

اور پھر آپؒ نے فرمایا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اتنا بڑا بادشاہ جو اس زمین کے رہنے والے کل انسانوں کی نہ صرف انسانوں کی بلکہ کل حیوانوں، پرندوں اور دیگر مخلوقات کی تربیت کرنے والا ہے۔ اس کے علاوہ خدا جانے اور کتنی زمینیں، سورج اور چاند وغیرہ ہیں، جن سب کی تربیت اللہ ہی کرتا ہے۔ کتنا بڑا بادشاہ ہے! اس کے لیے بے اختیار زبان سے یہ کلمہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ نکلتا ہے۔ پھر مسلمان قوم کی تربیت اس نے بالخصوص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ فرمائی۔ ایک تربیت عام ہے۔ جس میں دنیا کی کل اقوام شامل ہیں۔ اور ایک تربیت خاص مسلمانوں کے لیے ہے۔

اسلامی عیدین اور دیگر اقوام کے تہوار اور ان کا فرق: اسی تربیت کا ایک حصہ یہ آج کا دن یعنی عید ہے۔ اور قوموں کے بھی خوشی کے دن آتے ہیں۔ سال میں ایک دو تین بلکہ بعض قوموں کے اس سے بھی زیادہ سال بھر میں خوشی کے دن آتے ہیں۔ مسلمانوں کے ہاں بھی یہ عیدین دو خوشی کے دن ہیں۔ تو پھر فی الواقعہ کیا فرق ہے مسلمانوں کی ان عیدوں اور دوسری اقوام کے خوشی کے دنوں میں؟ ذرا غور کر کے کر دیکھو، تو ان میں بہت بڑا فرق نظر آئے گا۔ مسلمانوں کی خوشی کا دن عید ہے۔ اس روز وہ نہاتے دھوتے ہیں۔ اچھے کپڑے پہنتے ہیں۔ اچھا کھانا کھاتے ہیں۔ اس کے بعد کیا وہ لہو ولعب میں، کھیل تماشہ میں مصروف ہو جاتے ہیں؟ جیسا کہ ہمیں دیگر اقوام میں نظر آتا ہے۔ کھیل تماشا بھی ایک حد تک جائز ہے۔ منع نہیں۔ لیکن مسلمان نہانے، پاک صاف ہونے اور اجلے کپڑے پہننے کے بعد کہاں دوڑتے ہیں؟ خدا کے حضور! یہ ایک بین فرق ہے مسلمانوں کی عید اور دوسری اقوام کی خوشی کے تہواروں میں۔

اسلامی عیدین کی امتیازی خصوصیات: آخر دوسری قوموں کے اندر بھی نبی اور رسول آئے۔ اور ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان اقوام کی تربیت فرمائی۔ اسے ہم مانتے ہیں۔ لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مسلمانوں کی خاص رنگ میں تربیت فرمائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم کو دنیا کا رہبر بنانے کے لیے چن لیا گیا ہے۔ دوسری تمام قوموں کے برعکس ان کا سر خوشی کے ایام میں بھی خدا کے حضور میں کیوں جھکتا ہے؟ پھر یہ بھی ہوسکتا تھا کہ گھر میں دو نفل شکرانے کے پڑھ لیتے۔ نہیں۔ اس روز کو بھی خدا کی یاد کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ ایک اور خصوصیت جو مسلمان قوم کو ممتاز کرتی ہے، وہ اخوت ہے۔ جب تک اخوت کے رنگ میں اجتماع نہ ہو، یہ غرض پوری نہیں ہوتی۔ مسلمان قوم کی خوشی اس طرح ہوتی ہے کہ وہ ایک جگہ اکٹھے ہوتے ہیں۔ سب مل کر خدا کا نام لیتے اور اس کے حضور جھکتے ہیں۔ اس کے بعد آپس میں ملتے ہیں۔ جسمانی خوشیاں دوسرے طریقوں سے بھی حاصل ہوسکتی ہیں۔ لیکن روح کی خوشی خدا کا نام لیے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اسلام نے یہ طریق اور دستور رکھا ہے کہ پہلے خدا کا نام آئے۔ خدا کے آگے جھکے۔ پھر آپس میں بھائی بھائی ایک دوسرے سے ملیں۔

اعلیٰ درجے کا نظام اور ڈسپلن: اور کسی قوم میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ پھر اس میں نظام اور ڈسپلن بھی اعلیٰ درجے کا موجود ہے۔ سب صفیں باندھ کر کھڑے ہو

جائیں۔ اکٹھے جھکیں اور اکٹھے سجدے میں جائیں۔ پھر وعظ کے رنگ میں کچھ باتیں سن لیں۔ اگر دنیا چاہتی ہے کہ صحیح ترقی کی طرف بڑھے تو اسے اسلام اور اسلامی سوسائٹی کو قبول کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ کیونکہ اسلام نے ایسا نظام قائم کیا ہے، جس میں تمام اعلیٰ درجے کے کمالات موجود ہیں۔ پھر مسلمانوں کی عید میں ایک اور کمال بھی ہے۔

دونوں اسلامی عیدوں کا تعلق مشقت کے ساتھ ہے: دوسری تمام قوموں کے خوشی کے دن دیکھ لیجئے۔ ہندوؤں کی ہولی، دیوالی اور دسہرہ کو لے لیجئے۔ عیسائیوں کا کرسمس دیکھ لیجئے۔ کسی قوم کے کسی تہوار کا تعلق مشقت کے ساتھ نہیں ہے۔ نہ کسی کا روزے کے ساتھ تعلق ہے، نہ کسی کا سفر کے ساتھ تعلق ہے۔ لیکن مسلمانوں کی دونوں عیدوں کا تعلق مشقت کے ساتھ ہے یہ اس عید الفطر کا موقع آتا ہے تیس دن کی مشقت کے بعد کھانا پینا اور بعض دوسری چیزیں ترک کرو دن کو بھوکے رہو، صرف یہی نہیں بلکہ رات کو خدا کے حضور کھڑے رہو۔ تیس دن کی اس متواتر محنت کے بعد یہ خوشی کا دن آتا ہے۔

مشقت وراحت لازم وملزوم ہیں: اس طرح بتلایا کہ انسان کو محنت ومشقت اور مصیبت سے نہیں گھبرانا چاہئے۔ بلکہ ان چیزوں کے برداشت کرنے اور ان کا عادی ہونے ہی سے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ اگر کوئی ایسے مقام پر پہنچنا چاہتا ہے، جہاں کہ غم اور تکلیف نہ ہو، تو وہ غموں اور تکلیفوں ہی میں سے ہو کر گزرے گا۔ اس کے بغیر وہ اس مقام پر نہیں پہنچ سکتا۔ غور کر کے دیکھ لیجئے۔ اسلام نے کتنا بڑا فلسفہ عید کے اندر دے دیا ہے؟ خدا تعالیٰ اس عید کے ذریعہ یہ سبق دینا چاہتا ہے کہ مشقت وراحت لازم وملزوم ہیں۔

انسانی زندگی پر غور کرو: انسان کی معمولی زندگی پر غور کر کے دیکھو۔ ہم پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن آپ جانتے ہیں اس کے لیے کس قدر مشقت اٹھانی پڑتی ہے ایک عورت کو۔ ذرا اس مشقت اور تکلیف کو تصور کرو، جو ایک ماں ایک بچہ کو دنیا میں لانے کے لیے برداشت کرتی ہے۔ وہ پہلے نو مہینے تک اسے پیٹ میں رکھتی ہے۔ طرح طرح کی تکالیف اور دکھ برداشت کرتی ہے۔ اس کے بعد اس پر وہ سخت خطرہ اور تکلیف کا وقت آتا ہے کہ وہ سچ مچ زندگی وموت کی کشمکش میں مبتلا ہوتی ہے۔ اس وقت پتہ نہیں ہوتا کہ کیا وہ ایک اور انسان کو دنیا میں لانے کا موجب بنے گی یا خود مر جائے گی! پھر وہ بچہ کے پیدا ہونے کے بعد اسے دودھ پلاتی ہے۔ جو در اصل اس کے جسم کا خون ہوتا ہے۔ باپ بچہ کے لیے طرح طرح کی تکالیف اٹھا کر کما لاتا ہے۔ صرف بچہ کی ولادت کے معاملہ میں ہی نہیں، بلکہ دوسرے معاملات میں بھی ہمیں یہی اصول کام کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ ایک زمین دار زمین تیار کرتا ہے۔ راتوں کو جاگ کر اس کی رکھوالی کرتا ہے۔ پھر کہیں جا کر فصل تیار ہوتی ہے۔ ایک طالب علم اپنی زندگی کے پندرہ سولہ سال اور بعض اوقات بیس پچیس سال صرف کرتا ہے۔ دن رات پڑھتا ہے۔ ماں باپ کا روپیہ خرچ کرتا ہے۔ پھر کہیں جا کر وہ کوئی اعلیٰ امتحان پاس کرنے کے قابل بنتا ہے۔ وہ بچپن سے اپنی تعلیم شروع کرتا ہے۔ آگے اسے کچھ نظر نہیں آتا۔ لیکن وہ برابر محنت کئے جاتا ہے۔ تب کہیں جا کر اسے کوئی اچھی ڈگری حاصل ہوتی ہے۔ اب تو اعلیٰ ڈگری حاصل کر کے بھی کچھ نہیں بنتا۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان مارے مارے پھرتے ہیں۔ نوکری اور روزگار نہیں ملتا!

محنت ومشقت کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا: اس کو بھی چھوڑو۔ دنیا میں جس قدر بڑے بڑے کام اور مفید ایجادات وانکشافات ہوئے ہیں۔ ان کی طرف دیکھو۔ یہ ایجادات وانکشافات ہر قسم کا دکھ اور مشقت ہی اٹھا کر ہوتے ہیں۔ جب کسی نے اپنے دن رات کا آرام اور رات کی نیند حرام کی ہے، ہر قسم کی مشقت اور سختی اٹھائی ہے، تب کہیں جا کر وہ اس قابل بنا ہے کہ کوئی نئی ایجاد یا انکشاف کر کے دنیا کو فائدہ پہنچا سکے۔ فوج کے سپاہی کو دیکھو۔ وہ اپنی جان کو خطرہ میں ڈالتا ہے۔ اپنی گردن تلوار کے سامنے رکھتا ہے۔ اپنے بھائیوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتا اور کٹتا ہوا دیکھتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ملک وقوم کی حفاظت کے لیے سر بکف رہتا ہے۔ دشمن سے لڑتا ہے۔ اس کا مقابلہ کرتا ہے۔ اگر سپاہی ایسا نہ کریں تو ملک تباہ ہو جائے۔ اور قوم دنوں کے اندر مر جائے!

گاندھی جی کا بے معنی اور مضحکہ خیز فلسفہ: گاندھی جی ویسے تو مہاتما کہلاتے ہیں لیکن ان کا اہنسا کا فلسفہ اس قدر بے معنی اور مضحکہ خیز ہے کہ آدمی حیران ہو جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب دشمن حملہ کرے تو گھر میں بیٹھ کر چرخا کاتو! یہ بہادری نہیں۔ بلکہ بنیا ذہنیت ہے۔ یہ اول درجے کی بزدلی اور خودغرضی کا طریق ہے۔ مقابلہ تو وہ کرے جو پہلے اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ لے۔ جو بہادری کے ساتھ مقابلہ کرنے کی بجائے گھر کے اندر بیٹھ کر چرخا کاتتا ہے، وہ نہایت خودغرض اور بزدل ہے۔ وہ دشمن سے بچنے کے لیے ایسا کرتا ہے۔ کہ خواہ ملک وقوم تباہ ہو جائے، میں

گھر کے اندر محفوظ بیٹھا رہوں!

اہنسا زندگی کا نہیں موت کا فلسفہ ہے: یہ زندگی کا نہیں بلکہ موت کا فلسفہ ہے۔ افسوس ہے ان مسلمانوں ، بالخصوص ان مسلمان مولویوں پر، جو قرآن کریم کے مقابلے پر گاندھی جی کے اہنسا کے اس فلسفہ کو مان رہے ہیں۔ بے شک گاندھی جی کا اثر ورسوخ ہے۔ اور بہت آدمی ان کے پیرو ہیں۔ لیکن ان کا اہنسا کا فلسفہ کوئی ماننے والی بات نہیں۔ لہٰذا بغیر محنت و مشقت کے کوئی کامیابی اور ترقی نہیں ہوسکتی اور نہ کوئی بلند درجہ اور مرتبہ مل سکتا ہے۔ عالم بننے کے لیے بھی غیر معمولی محنت کرنی پڑتی ہے۔ دنیا کو نفع پہنچانے والا علم کبھی نہیں ملتا، جب تک کہ رات دن محنت نہ کی جائے۔ سو عالم کو بھی محنت کرنی پڑتی ہے۔ عارف باللہ کو بھی محنت کرنی پڑتی ہے۔ وہ ساری رات خدا کے حضور میں کھڑا رہتا ہے۔ نبی سے تو کسی انسان کا درجہ بلند نہیں۔ اور تمام انبیاءؑ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ کی یہ کیفیت تھی اِنَّ رَبَّکَ یَعۡلَمُ اَنَّکَ تَقُوۡمُ اَدۡنٰی مِنۡ ثُلُثَیِ الَّیۡلِ (20:73) تیرا رب جانتا ہے کہ دو تہائی رات خدا کی عبادت میں مخلوق خدا کے لیے دعائیں کرتا رہتا ہے۔ ایک عارف باللہ خدا کا فرستادہ جب تک وہ راتوں کو خدا کے حضور میں آنسو بہا کر نہیں گزارتا، دنیا کی اصلاح نہیں کرسکتا ہے۔

محنت و تکلیف کی عادت کے بغیر کامیابی ممکن نہیں: دیکھو! یہ عید بھی محنت و مشقت کا سبق ہے۔ مسلمانوں کے لیے اس میں عملی رنگ میں بتایا کہ تیس دن کی محنت کے بعد اب خوشی کا وقت آ گیا ہے۔ اور عید کی خوشی یہ ہے کہ ایک محنت و مشقت کا کام کرلیا ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں اپنی بھلائی کا ایک کام کرلیا ہے۔ خوب یاد رکھیں۔ جس شخص نے اپنے آپ کو عادی نہیں بنایا بھوک اور پیاس کا، اور اپنی زبان اور آنکھ کو قابو میں رکھنے کا، وہ ہرگز بڑا آدمی نہیں بن سکتا۔

روزہ سے کمزوری نہیں طاقت پیدا ہوتی ہے: اس گئے گزرے زمانہ میں بھی گذشتہ جنگ عظیم میں ترک سپاہی تین تین روز کے فاقوں کے باوجود نہایت بہادری کے ساتھ لڑے۔ اور اس طرح سارے یورپ کو حیران کردیا۔ وہ محض روزہ کی مشقت کے عادی ہونے کی وجہ سے ایسا کرسکے۔ روزہ انسان کے اندر بے انتہا قوت برداشت پیدا کردیتا ہے۔ آج کل کے بعض نوجوان کہتے ہیں کہ روزہ انسان کو کمزور کردیتا ہے یہ بالکل غلط ہے۔ روزے سے انسان کمزور نہیں بلکہ طاقتور ہوتا ہے۔ کمزوری کی وجوہ اور ہوتی ہیں۔ جو خود انسان اپنے اندر لاتا ہے۔ چنانچہ روزوں اور عید میں یہ ایک زریں اور مفید سبق ہے کہ مشقت کے اندر راحت ہے۔ جو شخص مستقل راحت حاصل کرنا چاہتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ عارضی دکھ میں سے ہوکر گزرے۔ جو عارضی دکھ سے بچتا ہے وہ دائمی دکھ میں پڑتا ہے۔

کامیاب و لاجواب نسخہ: بغیر محنت کے کوئی کمال حاصل نہیں ہوسکتا۔ یہ وہ نسخہ ہے جو آپ میں سے ہر ایک آدمی کو اپنی اولاد کو بتانا چاہئے۔ یہ بہت ہی لاجواب اور کامیاب نسخہ ہے۔ یہ صرف غریبوں ہی کے لیے نہیں، بلکہ امیروں کے لیے بھی ضروری ہے۔ امیر آدمی دولت رکھنے کے باوجود محنت کے بغیر اپنے بعض تعلقات کو نباہ نہیں سکتے۔ والدین اور اولاد کے تعلق کو لے لو۔ میاں اور بیوی کے تعلقات کو لے لو۔ بہن بھائیوں اور دوستوں کے تعلقات کو لے لو۔ یہی دنیا میں محنت و مشقت کے بڑے تعلقات ہیں۔ ان کو بھی انسان محنت و مشقت کے بغیر نہیں نباہ سکتا۔

صرف اسلام ہی دنیا کی مشکلات کا حل ہے: اسلام نے نہایت مفید چیزیں تم کو دی ہیں۔ اس کے عقائد کس قدر عمدہ اور کس قدر پاکیزہ ہیں۔ اس کی تعلیمات و احکامات کو دیکھو۔ کس قدر عمدہ اور مفید ہیں۔ اس نے جس قدر ادارے قائم کیے ہیں، وہ سب نہایت اعلیٰ اور ممتاز ہیں۔ ایک مسلمان کے بچے کو ہر ایک مجمع میں نہایت فخر کے ساتھ اپنے اسلام کا اعلان اور اس کی تبلیغ کرنی چاہئے۔ اور بڑے زور کے ساتھ کہنا چاہئے کہ اسلام کے سوا دنیا کی مشکلات کا اور کوئی حل نہیں ہے۔

نماز اسلام کا ایک نہایت اعلیٰ اور مفید ادارہ ہے: صرف ایک نماز ہی کو لے لو۔ اسلام کا یہ ادارہ کس قدر اعلیٰ ہے۔ میں تو ویسے بچپن سے ہی نماز کا عادی ہوں۔ لیکن غور کر کے دیکھا ہے تو یہی معلوم ہوا ہے کہ یہ بے حد فائدہ مند چیز ہے۔ جو مذہب دن میں پانچ وقت خدا کے حضور حاضر ہونے اور جھکنے کی تعلیم دیتا ہے، وہ انسان کو کس قدر اعلیٰ روحانی و اخلاقی مراتب پر پہنچا دینے کا باعث ہوسکتا ہے! نماز سے انسان کے دل میں خدا کی ہستی پر اس قدر زبردست یقین اور ایمان پیدا ہوجاتا ہے، جو اور کسی طرح پر پیدا نہیں ہوسکتا ہے۔

نماز کے بغیر خدا کی ہستی اور طاقت پر کامل ایمان پیدا نہیں ہوسکتا ہے: اسی لیے مسلمان بچے کو سات سال ہی کی عمر سے نماز کی عادت ڈالی جاتی ہے۔ تاکہ اس کے دل میں خدا کی ہستی پر یقین و ایمان پیدا ہو۔ یہ ذہنیت، کہ خدا موجود ہے اور ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ اس طرح نہیں پیدا ہوسکتی کہ آٹھویں دن جا کر گرجا کے اندر وعظ سن لیا۔ مسلمان قومیں مختلف اوقات میں دنیوی لحاظ سے اعلیٰ مراتب پر بھی

پہنچیں، لیکن اس کے باوجود ان کے دل میں بحیثیت مجموعی خدا کا خوف رہا۔ دنیوی ترقی کی وجہ سے ان کی وہ حالت نہیں ہوئی جو کہ آج یورپین اقوام کی نظر آ رہی ہے۔

مسلمان قوم میں سب سے زیادہ خوف خدا پایا جاتا ہے: میں اس بات کو مانتا ہوں کہ انفرادی طور پر ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص نماز بھی پڑھے اور بعض برے افعال کا بھی مرتکب ہو۔ لیکن بحیثیت مجموعی یہ ممکن نہیں۔ کہ ایک خدا پرست اور پابند نماز قوم کے دل سے خدا کا خوف نکل جائے۔ اور وہ موجودہ یورپ کی طرح مادہ پرست اور ایک دوسری کی تباہی کے درپے ہو جائے۔ باوجود اس کے کہ مسلمان آج کل بہت گر گئے ہیں، لیکن پھر بھی ان میں خدا کا خوف باقی تمام اقوام سے زیادہ پایا جاتا ہے۔ یہ نماز ہی کی بدولت ہے۔

خدا کے آگے جھکنے کی عادت ڈالیں: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک اُمّی تھے۔ پڑھنا نہ جانتے تھے، لکھنا نہ جانتے تھے، دنیا کے حالات سے واقف نہ تھے، لیکن دیکھیے، انہوں نے کس قسم کے ادارے قائم کیے۔ اور دنیا کو کس قدر اعلیٰ سبق پڑھائے کہ کوئی بڑے سے بڑا فلسفی بھی کیا پڑھائے گا! اس لیے میں اپنے دوستوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ خدا کے آگے سر جھکانے کی عادت ڈالو۔ اس کی ہستی پر پورا یقین اور ایمان رکھو۔ خدا کی ہستی ایسی ہے کہ مشرک، بدھ اور مسیح کے پجاری بھی اس کے سامنے جھکتے ہیں، تو وہ ان کی بھی سنتا ہے۔ قرآن میں آیا ہے۔ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ (63:6)" کہو کون تم کو خشکی اور تری کی مشکلات سے نجات دیتا رہتا ہے جب تم اس کو عاجزی کے ساتھ اور چھپ کر پکارتے ہو اگر وہ ہم کو اس سے نجات دے تو ہم یقیناً شکر کرنے والوں میں سے ہوں گے"۔ یعنی جب ان لوگوں پر کوئی مصیبت آتی ہے تو یہ خدا کو ہی چھپ چھپ کر پکارتے ہیں۔ اور خدا انہیں نجات دے دیتا ہے۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ پھر نافرمانی کریں گے۔ تو جب خدا ایک کافر اور مشرک کی سنتا ہے، تو وہ ایک موحد اور مسلمان کی کیوں نہ سنے گا؟ ضرور سنے گا۔ ہاں۔ کوئی پکارنے والا اور اس کے حضور میں جھکنے والا ہو!

مسجد مسلمان قوم کا مرکز ہے: خوب یاد رکھو یہ مسجد مسلمان قوم کا مرکز ہے۔ مسلمان قوم کی ہستی اور اس کی تنظیم اسی مرکز کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور اسی کے ساتھ ہمیشہ وابستہ رہے گی۔ اس میں آؤ اور جمع ہو کر خدا کے حضور جھکو۔ دن میں پانچ مرتبہ نہیں، دو تین مرتبہ ہی آؤ۔ ایک مرتبہ ہی آؤ۔

نماز ضرور پڑھو: اگر مسجد میں آنا کسی وجہ سے میسر نہ ہو، تو پھر گھر پر ہی نماز ضرور پڑھو۔ وقت پر توفیق نہیں ملتی تو قضا ہی پڑھ لو۔ آج کل نئی روشنی کے اثر کی وجہ سے عام طور پر نوجوانوں میں طلوع آفتاب کے بعد بستر سے اٹھنے کی عادت ہو گئی ہے۔ جو کوئی اچھی عادت نہیں ہے۔ خیر! جو نوجوان صبح نماز کے وقت نہیں اٹھ سکتے، وہ جس وقت اٹھیں، اس وقت ہی نماز پڑھ لیں۔ بستر سے اٹھ کر مسواک اور وضو کرو۔ غسل کرنا ہے تو غسل کرو۔ پھر خدا کے آگے جھکو۔ نماز پڑھو۔ آخر اس میں بری بات کیا ہے؟ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ یہ کیا ہے۔ چند نیک اور اعلیٰ خواہشات ہیں۔ ان نیک خواہشات کو اپنے دل میں پیدا کرو۔ فجر کے بعد ظہر ہے۔ یہ کام کاج کا وقت ہے۔ اس وقت بھی نیک خواہشات دل میں پیدا کرو۔ اسی طرح باقی تین نمازیں ہیں۔

نماز سے ہرگز وقت ضائع نہیں ہوتا: بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز سے وقت ضائع ہوتا ہے۔ یہ بالکل غلط خیال ہے۔ نماز سے وقت ہرگز ضائع نہیں ہوتا۔ ہمارا تو یہ اپنا تجربہ ہے۔ ہم نے نمازیں بھی پڑھیں اور بڑی باقاعدگی سے پڑھیں۔ امتحانوں میں بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ نماز سے وقت ضائع ہونے کی بجائے اول درجے کی باقاعدگی، ڈسپلن، پابندی اوقات اور چستی و مستعدی پیدا ہوتی ہے۔ دنیوی ترقی کے لیے بھی یہ چیزیں بے حد ضروری ہیں۔

کالجوں کے طلباء اور دفتروں کے ملازمین کو تاکید: آرام طلبی اور عیش پسندی سے کسی نے کوئی کامیابی حاصل نہیں کی۔ مذہبی آدمیوں کو چھوڑیے۔ کوئی عیاش آدمی دنیا میں کوئی اعلیٰ ایجاد اور انکشاف بھی نہیں کر سکا۔ کالجوں کے طلباء اور سرکاری دفتروں کے ملازمین بالعموم نماز میں سستی کرتے ہیں۔ میں ان سے خاص طور پر کہوں گا کہ نماز کو نہ چھوڑو۔ مجبوری کی حالت میں ظہر اور عصر کو جمع کر کے پڑھ لو۔

قرآن کے ساتھ شغف پیدا کرو: دوسری بات میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ قرآن کے ساتھ شغف پیدا کرو۔ آپ میں سے ہر ایک فرد کو اتنا قرآن ضرور آنا چاہئے کہ امام کی قرأت سمجھ لے۔ کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے؟ اگر تم بی اے اور ایم اے پاس کر لو۔ اور قرآن اور دین سے تمہیں کوئی تعلق اور شغف نہ ہو، تو تمہارا یہ بی اے اور ایم اے ہمارے کس کام کا؟ اور آج کل تو اس بی اے اور ایم اے کی بھی کوئی قدر نہیں

رہ گئی ہے۔ ہزاروں مارے مارے پھرتے ہیں۔ لہٰذا اپنے آپ کو اس طرف لگاؤ۔ ہر ایک فرد جماعت، ہر ایک احمدی ادھر توجہ دے۔ آج کل تو تعلیم بالغان پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ کوشش کی جاتی ہے کہ معمر آدمی بھی تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا سیکھ جائیں۔ لہٰذا میں آپ لوگوں سے توقع رکھتا ہوں کہ ہر ایک احمدی، خواہ وہ بوڑھا ہو یا بچہ یا جوان مرد ہو یا عورت، قرآن کریم کا اس قدر علم ضرور حاصل کرلے کہ امام کی قرأت کا مطلب سمجھ سکے۔ اور یہ کوئی مشکل بات نہیں۔ محض احساس، شوق اور باقاعدگی کی ضرورت ہے۔ زیادہ نہیں اگر آپ دو لفظ بھی روزانہ سیکھیں گے، تو دس سال کے اندر علم قرآن کا بہت بڑا ذخیرہ حاصل کرلیں گے۔ یہ بڑی دولت ہے۔ بڑی نعمت ہے۔ ایک بیش بہا خزانہ ہے!

تبلیغ اسلام اور اشاعت قرآن کی تڑپ پیدا کرو: تیسری بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اپنے دلوں میں تبلیغ اسلام اور اشاعت قرآن کے لیے تڑپ پیدا کرو۔ اس تڑپ کا پتہ کس طرح لگے گا؟ کہنے کو تو دنیا میں چالیس کروڑ مسلمان موجود ہیں۔ وہ زبان سے سب یہی کہتے ہیں کہ ہمارے دل میں اسلام کے لیے بڑی تڑپ ہے، لیکن ان کے عمل سے کوئی تڑپ ظاہر نہیں ہوتی۔

دین کے لیے تمہاری تڑپ کا اظہار اس طرح ہو سکتا ہے کہ تم اپنے مالوں کا کچھ حصہ اشاعت اسلام پر خرچ کرو۔ خود قرآن میں بار بار جگہ جگہ مالی قربانیوں کی تاکید اور ان کا حکم ہے۔ اگر جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ کے متعلق آیات کو جمع کیا جائے، تو وہ ایک بہت بڑا حصہ ہوگا۔ غرضیکہ قرآن کریم میں انفاق فی سبیل اللہ کی بڑی تاکید آئی ہے۔ اور اس کا بڑا درجہ بیان ہوا ہے۔ ہماری جماعت کے ہر ایک فرد کو دین کے لیے مالی قربانیوں میں حصہ لینا چاہئے۔ جو کماتے ہیں ان کے لیے تو کم از کم ایک آنہ فی روپیہ چندہ ماہوار مقرر ہے۔ لیکن جو لوگ نہیں کماتے مثلاً نوجوان ہیں، جنہیں اب تک روزگار نہیں ملا، یا وہ طالب علم ہیں جو کالجوں میں تعلیم پا رہے ہیں، وہ بھی اپنے جیب خرچ سے آٹھ آنہ چار آنہ، ایک روپیہ دیں۔ اسکولوں کے بچے ہیں وہ بھی ایک ایک دو دو پیسہ دیں۔

بچوں میں اس عادت کے پیدا کرنے کا فائدہ: اپنے بچوں میں اس عادت کو پیدا کرو۔ اس عادت کے پیدا کرنے کا یہ فائدہ ہوگا کہ بچپن ہی سے ان کے دل میں دین کے ساتھ ایک لگاؤ اور محبت پیدا ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ ایک قدرتی بات ہے کہ جس چیز پر انسان مال خرچ کرتا ہے اس سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ ہر ایک جماعت کو اپنے ممبروں میں یہ بات پیدا کرنی چاہئے۔

باہمی کدورتیں چھوڑ کر آپس میں محبت پیدا کرو: خطبہ کو ختم کرنے سے پہلے میں آپ سب سے یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ آپس کی کدورتیں چھوڑ دو۔ اور کدورتیں چھوڑ دینا تو کوئی بڑا کام نہیں۔ آپس میں محبت پیدا کرو۔ بعض لوگوں کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ وہ خود کو تو دوسروں کی محبت کا مستحق سمجھتے ہیں، لیکن دوسروں کے ساتھ وہ محبت کا سلوک نہیں کرتے۔ یہ بہت بڑی کمی اور بہت بڑی غلطی ہے۔

اس جماعت کو صحیح اسلامی جماعت کا نمونہ بناؤ: نظام پر اسلام نے بہت زور دیا ہے۔ اس کے پانچوں رکن جماعت کے ساتھ وابستہ ہیں۔

1-نماز جماعت کے ساتھ وابستہ ہے۔

2-روزے سب ایک وقت میں رکھتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ کوئی بلا عذر رمضان کے علاوہ اور کسی مہینے میں فرض روزے رکھ لے۔

3-زکوٰۃ کو بھی ایک جگہ قومی بیت المال میں جمع کر کے خرچ کرنے کا حکم ہے

4-حج سب مل کر کرتے ہیں اور

5-جہاد بھی جماعت کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔

چنانچہ اس جماعت کو، جس کی بنیاد مجدد وقت نے اپنے مقدس ہاتھوں سے رکھی ہے، مضبوط کرنے کی کوشش کرو۔ آپس میں تعلقات محبت و اخوت بڑھاؤ۔ بڑوں پر بھی فرض ہے۔ نوجوانوں پر بھی فرض ہے۔ عورتوں پر بھی فرض ہے کہ وہ کوشش کریں کہ یہ جماعت صحیح اسلامی جماعت کا نمونہ بن جائے۔ حضرت مسیح موعود نے جب جماعت بنائی تو سب لوگ شدید مخالفت کے باوجود کہتے تھے اور اعتراف کرتے تھے کہ یہ صحیح اسلامی جماعت کا نمونہ ہے۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر سر اقبال مرحوم نے بھی علی گڑھ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ جماعت احمدیہ ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا نمونہ ہے۔ آؤ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے۔ اور خدا کے دین اور اس کے قران کو پھیلانے کا ہمیں بے انتہا جذبہ عطا فرمائے۔ اپنے بیمار اور مشکلات میں مبتلا دوستوں کے لیے بھی دعا کرو۔ (پیغام صلح 12 نومبر 1940ء)

اسلامی تعلیمات کی امتیازی خصوصیت ۔ ا

بہاولپور میں سلسلہ خطبات میں سے چند اقتباس

از ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مترجم قرآن مجید فرانسیسی

تعلیم دین

اگر ہم لفظ نبی کے معنی محدود کر لیں کہ نبی دین سکھاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دین کی تعلیم دی ہے ۔ اور اگر اس کے وسیع معنی لیں تو وہ تمام کارنامے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دیئے، وہ سب ہی منصب نبوت کے اجزاء یا شعبے ہوں گے ۔ ظاہر ہے کہ ان سب کارناموں میں دین کی تعلیم ہی کو اولیت حاصل ہے، کیونکہ اسی کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے لے کر وفات تک، ساری عمر سعی فرماتے رہے۔ خوش قسمتی سے ہمیں دین کے سلسلے میں ایک سہولت یہ حاصل ہے کہ خود آپ کی ہی ایک حدیث میں اس کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ حدیث صحاح ستہ کی ساری کتابوں یعنی بخاری و مسلم وغیرہ میں موجود ہے۔ ایک روایت میں یہ صراحت بھی آتی ہے کہ اس واقعے کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری دور بلکہ شاید آخری سال سے ہے۔ وہ حدیث یہ ہے کہ ایک دن ایک اجنبی مسجد نبوی میں داخل ہوتا ہے، جسے کوئی نہیں پہنچانتا۔ اس کے جسم پر سفید براق کپڑے ہیں اور اس کے سر کے بال بے حد سیاہ ہیں۔ لکھا ہے کہ وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر آپؐ کے سامنے گھٹنوں سے گھٹنے ملا کر بیٹھ گیا اور پوچھا کہ اے محمدؐ! ایمان کیا چیز ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح فرمائی۔ اس جواب پر اجنبی سائل کہتا ہے: ''آپؐ نے بہت ٹھیک کہا''۔ راوی کا بیان ہے کہ ہم سب لوگ حیرت زدہ تھے کہ یہ کون ہے جو سوال بھی پوچھتا ہے اور جواب کی توثیق بھی کرتا ہے۔ پھر اس کے بعد اس نے دوسرا سوال کیا کہ اسلام کیا چیز ہے؟ اس کی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریح فرمائی۔ اس جواب پر بھی اس نے کہا: ''آپ ٹھیک کہتے ہیں۔'' پھر پوچھا کہ احسان کیا چیز ہے؟ احسان کی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریح فرمائی۔ اس پر بھی یہی کہا کہ آپؐ ٹھیک کہتے ہیں ۔ اس کے بعد اس نے آخری سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ یہ تھے کہ: ''اس بارے میں سائل سے زیادہ مجھ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کوئی علم نہیں۔'' یعنی نہ میں جانتا ہوں اور نہ تم جانتے ہو، صرف خدا ہی جانتا ہے۔ اس کے بعد وہ شخص اٹھا اور باہر چلا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابیؓ سے کہا کہ دیکھو یہ کون ہے؟ وہ اس کے پیچھے گئے اور چند لمحوں میں واپس آ کر کہا کہ وہ غائب ہو گیا ہے۔ معلوم نہیں اسے زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔ اس کے بعد جو واقعہ پیش آیا وہ دو مختلف روایتوں میں دو مختلف طریق سے بیان ہوا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً کہا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ چند دن کے بعد کہا کہ: یہ شخص جبرائیل علیہ السلام تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ جس روایت میں ہے کہ کئی دنوں کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا، اس روایت میں اس جملے کا اضافہ بھی ہے کہ آج تک جبرائیل علیہ السلام کو پہچاننے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ میں نہ پہچان سکوں۔ گویا اگر جبرائیل علیہ السلام امتحان کے لئے آئیں تو یہ ضروری نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو پہچان سکیں۔ بہر کیف اس حدیث میں تین چیزوں کی وضاحت کی گئی ہے: ایمان کیا چیز ہے؟ اسلام کیا چیز ہے؟ احسان کیا چیز ہے؟ انہی تین باتوں کو بالفاظ دیگر عقائد، عبادات اور تصوف کہا جا سکتا ہے۔

بظاہر یہ موضوع غیر دلچسپ ہے۔ کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ ایمان سے کیا مراد ہے؟ اللہ کو ایک ماننا، رسول اللہؐ کو ماننا۔ اسی طرح عبادت کے بارے میں

ہم میں سے ہر شخص واقف ہے کہ نماز، روزہ، حج، زکوۃ چار چیزیں ہم پر فرض ہیں۔ کچھ باتیں تصوف کے متعلق بھی ہر شخص کو معلوم ہیں۔ لیکن اگر ہم ان میں سے ہر چیز کے مختلف پہلوؤں کو لے کر دیگر مذاہب سے مقابلہ کریں تو اس موضوع میں دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے

اسلامی عقاید کے بارے میں اسلام کی امتیازی حیثیت

پہلے ایمان اور عقاید کو لیجئے۔ اس کے بہت سے اجزاء اور عناصر ہیں۔ مثلاً توحید الٰہی پر ایمان، اللہ کی بھیجی ہوئی کتابوں پر ایمان، اس کے رسولوں پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، آخرت اور روز جزاء پر ایمان، خیر وشر کے منجانب اللہ ہونے پر ایمان۔ اگر ہم ان عقائد کا دیگر مذاہب کے مماثل عقائد سے مقابلہ کریں تو اسلام کی امتیازی حیثیت ظاہر ہوتی ہے اور ایسے نکتے نظر آتے ہیں جن پر واقعی آدمی سر دھننے لگتا ہے۔ عقائد کے سلسلے میں پہلی چیز اللہ پر ایمان ہے۔ بعض ادیان اللہ کے ایک ہونے کے قائل ہیں اور اس بات کو صراحت کے ساتھ بیان بھی کرتے ہیں۔ حتٰی کہ عیسائی بھی، جن کے متعلق عام طور پر یہ تصور ہے کہ وہ تثلیث پر ایمان رکھنے کے باعث ایک نہیں بلکہ تین خداؤں کو مانتے ہیں۔ اسی طرح پارسی بھی خدا کے ایک ہونے پر ایمان کا اظہار کرتے ہیں۔ ہندوؤں کے ہاں بھی بعض فرقے ایسے ہیں جو توحید ربانی پر ایمان رکھتے ہیں۔ اگر ہم غور سے دیکھیں تو نظر آتا ہے کہ اسلام کا نظریہ توحید، بہ نسبت اور دینوں کی تعلیم کے زیادہ معقول، زیادہ سادہ اور زیادہ اچھا ہے۔

مثال کے طور پر عیسائیوں کے ہاں، جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا، تثلیث کا تصور پایا جاتا ہے۔ لیکن کسی عیسائی سے پوچھو اور اس سے کہو کہ تم تین خداؤں پر ایمان رکھتے ہو تو وہ تم سے لڑ پڑے گا۔ کہے گا قطعاً نہیں، ہم ایک ہی خدا کو مانتے ہیں: باپ، بیٹا اور روح القدس یہ تینوں ایک ہی خدا کے مظہر ہیں۔ میں زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ صرف چند اشارے کروں گا کہ ان کا یہ بیان، کہ تثلیث سے مراد توحید ہی ہے، داخلی تضاد کے باعث ناقابل قبول ہو جاتا ہے۔

چنانچہ ابھی حال ہی میں کوئی سال ڈیڑھ سال کا عرصہ گزرا، پیرس میں ایک عیسائی ادارے کی طرف سے مجھے دعوت ملی کہ کسی اسلامی موضوع پر لیکچر دوں اور اس میں اسلامی عقائد کا ذکر کروں۔ وہاں میرا تعارف کراتے ہوئے وہاں کی پروٹسٹنٹ یونیورسٹی کے ریکٹر نے بظاہر مجھ کو سمجھانے کے لئے اصرار اور تکرار سے کہا کہ عیسائی تین خداؤں کو نہیں مانتے ایک ہی خدا کو مانتے ہیں۔ اس کے بعد میں نے اپنی تقریر شروع کی اور اس کا مجھے جواب دینا ایک لحاظ سے ضروری ہو گیا۔ میں نے کہا کہ اگر عیسائی واقعی صرف ایک خدا کو مانتے ہیں تو بسر و چشم، لیکن عیسائیوں کے ہاں ایک طرف اصرار کے ساتھ یہ ادعاء ہے کہ خدا ایک ہے اور دوسری طرف ان کے ہاں آمنت باللّٰہ کی طرح کا عقیدہ پایا جاتا ہے اس میں ایسی چیزیں بیان ہوتی ہیں جو اس کی تائید نہیں کرتیں بلکہ تردید کرتی ہیں۔

عقیدہ توحید اسلام اور عیسائیت میں

غالباً آپ کو علم ہوگا کہ جس طرح مسلمانوں کے ہاں **آمنت باللّٰہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ** کی طرح کے عقاید ہیں۔ اسی طرح عیسائیوں کے ہاں بھی ہیں، جن کے الفاظ کم و بیش اس طرح ہوتے ہیں کہ: ''میں خدا پر ایمان لاتا ہوں اور خدا کے اکلوتے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتا ہوں۔ جن کو فلاں بادشاہ کے زمانے میں تکلیف دے کر صلیب پر مارا گیا۔ تین دن وہاں رہے اس کے بعد آسمان پر گئے وہاں خدا کے داہنے ہاتھ پر بیٹھے۔ آئندہ زمانے میں وہ دوبارہ آئیں گے تاکہ زمین پر زندوں اور مُردوں کا حساب لیں۔ پھر اس کے بعد کچھ کچھ اس طرح کے الفاظ ہوتے ہیں کہ ''گوشت پوست ہی کے ساتھ ہمارا حشر ہوگا اور ابدی زندگی حاصل ہوگی۔'' تو میں نے اشارہ کیا کہ ''اگر یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر جانے کے بعد خدا کے داہنے ہاتھ پر بیٹھے تو کوئی شخص خود اپنے داہنے ہاتھ پر نہیں بیٹھتا۔ اس کے معنی یہی ہوں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام الگ ہیں اور خدا الگ ہے۔ وہ خدا کے معزز مہمان ہو سکتے ہیں کہ خدا کے داہنے ہاتھ پر بیٹھے ہیں لیکن وہ خدا نہیں ہو سکتے۔'' اس طرح آپ دیکھتے ہیں کہ عیسائیوں کے ہاں توحید کا تصور ہونے کے باوجود اس کا اظہار اس طرح ہوتا ہے جو قابل قبول نہیں رہتا بلکہ خود اپنی تردید کرتا ہے۔

غرض توحید کے متعلق مسلمانوں کا تصور اتنا سادہ ہے اور اس قدر پرزور ہے کہ اس طرح کی کوئی چیز دوسرے مذاہب میں نظر نہیں آتی۔ ابھی میں نے پارسیوں کے مذہب کا ذکر کیا ہے۔ زردشت بھی خدا کے ایک ہونے کا قائل ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ وہاں ثنویت یعنی دو خداؤں کا تصور بھی پیدا ہو گیا ہے۔ زرتشت کہتا ہے کہ برائی کو خدا کی طرح منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ نہ صرف یہ کہ خدا خود برا کام نہیں کرتا۔ بلکہ یہ بھی کہ برائی کا پیدا کرنے والا بھی خدا نہیں ہو سکتا۔ یہ خدا کی ذات کے منافی ہے کہ خدا جیسی پاک ہستی برائی کو پیدا کرے۔ لہذا وہ کہتا ہے کہ برائی کا خالق الگ ہے اور بھلائی کا خالق الگ ہے۔ اس طرح دو الگ خالق یا خدا ہیں۔ یہ نظریہ تو نیک نیتی پر مبنی ہے کیونکہ خدا کی عظمت کا احترام کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ خدا برائی پیدا نہیں کرتا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ دنیا میں چونکہ اکثر اوقات برائی کو غلبہ حاصل ہوتا ہے اور بھلائی کو شکست ہوتی ہے، گویا بھلائی کا خدا مغلوب ہو جائے، کیا ہم اسے خدا تسلیم کریں گے؟ علمی نقطہ نظر سے یہ دشواریاں جو اس طرح کے تصورات سے پیدا ہوتی ہے وہ اسلامی تعلیم توحید میں بالکل نہیں۔ دوسری طرح استثناء کے ذریعے سے محدود بھی کر دیا گیا ہے کہ صرف یہی اللہ ہے۔ یہ زور بیان کسی اور مذہب کی تعلیم میں نظر نہیں آتا۔ حتٰی کہ یہودیوں کے ہاں بھی صرف اتنا ہے کہ خدا ایک ہے لیکن یہ زور کہ **لا الہ الا اللّٰہ** (کوئی معبود نہیں بجز اللہ کے) وہ امر ہے جو یہود کی تعلیم میں بھی نہیں ملتا۔

الہامی کتب پر ایمان

اس کے بعد عقائد کا تیسرا جز و کتابیں ہیں یعنی میں اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتابوں پر ایمان لاتا ہوں۔ یہ اتنا کلمہ ہے کہ اس کے مماثل ہمیں کوئی چیز دوسرے مذاہب میں نظر نہیں آتی۔ وہ اس لئے کہ اگر یہاں یہ کہا جاتا ''میں کتاب پر ایمان لاتا ہوں'' یعنی قرآن مجید پر تو یہ صرف ایک کتاب ہوتی۔ لیکن ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ایک کتاب پر نہیں بلکہ خدا کی بھجی ہوئی ساری کتابوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس عقیدے میں ایک طرف فراخ دلی اور وسیع القلبی کا پہلو ہے اور دوسری طرف اسلام کے عالمگیر ہونے اور ابتداء سے لے کر قیامت تک مسلسل جاری رہنے کا تصور بھی ہے۔ کیونکہ اگر ہم کتابوں پر ایمان لائیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنی بھی کتابیں آئی ہیں وہ سب مختلف لوگوں کی نہیں ہماری اپنی کتابیں ہیں۔ مثلاً توریت یہودیوں ہی کی کتاب نہیں بلکہ ہماری کتاب بھی ہے۔ انجیل عیسائیوں ہی کی کتاب نہیں ہماری کتاب بھی ہے۔ ایسی تعلیم ہمیں دوسرے مذاہب میں نہیں ملتی۔

عام طور پر دوسرے مذاہب والے یہ کہتے ہیں کہ سارے مذاہب غلط ہیں۔ انہیں چھوڑ دو۔ صرف ہمارا مذہب سچا ہے۔ میں بھی بطور مسلمان کے یہی کہوں گا کہ میرا دین سچا ہے۔ لیکن دوسرے مذاہب بھی اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے سچے اور الٰہی مذاہب ہیں، اگر چہ ان پرانے مذاہب پر عمل نہیں کرتا۔ اسلامی تعلیم یہ ہے کہ خدا کی بھیجی ہوئی ساری کتابیں خدا ہی کا حکم ہیں اور اسی بنا پر ہمارے لئے قابل احترام ہیں۔ مگر اس اصول کی بنا پر کہ آخری احکام واجب التعمیل رہتے ہیں۔ اور اس سے پہلے کے احکام منسوخ سمجھے جاتے ہیں، ہم آخری کتاب پر عمل کرتے ہیں۔ اس سے پہلے کی کتابوں پر عمل تو نہیں کرتے لیکن ان کو تسلیم ضرور کرتے ہیں اور ان کا احترام کرتے ہیں۔ اس میں ایک نفسیاتی فائدہ اور بھی ہے۔ اگر میں کسی یہودی یا کسی عیسائی کو یہ کہو کہ تیرا مذہب جھوٹا ہے۔ تیری نجات کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ تو اسلام قبول کر لے۔ تیرے پاس جو کتابیں ہیں وہ لغو اور جلا دینے کے قابل ہیں، تو اسے دکھ ہوگا، اور غالباً وہ جوش غضب سے اسے دکھ ہوگا۔ اور غالباً وہ جوش غضب سے اس قدر مغلوب ہو جائے گا کہ اسلام کی حقانیت کے بارے میں میری کوئی بات سننے اور ماننے کے لئے تیار نہ ہو۔

(ماخوذ از خطبات بہاولپور ص 155۔162)

آخری قسط

حضرت مسیحؑ کے مقدس کفن کی تفصیلات

ہم نے گزشتہ دو اقساط میں ٹیورن میں اس سال ہونے والی نمائش کی کچھ تفصیل سے آپ کو آگاہ کیا تھا جو دس سال کے بعد ہوئی ہے۔ اور اس موقع پر چرچ والوں کی طرف سے جو لٹریچر شائع ہوا تھا اس میں سے بعض تحقیقی اور تجزیاتی مواد کا انگریزی سے ترجمہ بھی شائع کیا تھا گذشتہ قسط میں مقدس کفن کی تاریخ بھی محترم ممتاز احمد فاروقی صاحب کی کتاب ''کسر صلیب'' سے پیش کی تھی۔ اس قسط میں مقدس کفن کی تفصیلات اور کپڑے پر حضرت مسیحؑ کے جسم کا عکس کس طرح ثبت ہوا اس کے بارے میں تفصیلات درج کی جاری ہے۔ (ادارہ)

کفن کا کتانی کپڑا

یہ کپڑا تین فٹ سات انچ چوڑا اور چودہ فٹ تین انچ لمبا ہے۔ فوٹو گرافر کی اُتاری ہوئی بڑی تصاویر سے اس کپڑے کی پوری تفصیلات سامنے آجاتی ہیں۔ یہ سن سے بنا ہوا کپڑا معلوم ہوتا ہے جس پر مچھلی (Herring) کی ریڑھ کی ہڈی کی طرح دونوں پہلوؤں پر لمبے لمبے کانٹوں کی قطار کی صورت میں لکیروں کا ڈیزائن ہے۔ یہ موٹے دھاگے سے بڑا گتھا بُنا ہوا ہے اور روشنی اِدھر سے اُدھر نہیں گزر سکتی۔ کپڑے کو مایا لگی ہوئی نہیں اور نہ ہی اس کو صاف اور سفید کرنے کی کوئی کوشش کی گئی ہے۔ بلاشبہ یہ کپڑا اس زمانہ کی پیداوار اور ساخت ہے، جب حضرت مسیحؑ زندہ تھے۔ بالکل اسی قسم کے کپڑے پالمیرا اور دوسرے قدیم کھنڈرات سے بھی دریافت ہوئے ہیں۔ جن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پرانے زمانے میں شام اور عراق کے ملکوں میں اسی قسم کے کپڑے دستی کھڈیوں پر بُنے جاتے تھے۔

کفن پر آگ لگنے کے نشانات

تصاویر میں جو نقوش ہیں اُن میں کپڑے کے جل جانے کے نشانات درمیانی تصویر کی لمبائی میں دونوں پہلوؤں پر موجود ہیں۔ ان کا رنگ کپڑے پر دوسرے نقوش سے زیادہ گہرا اور سیاہی مائل ہے کیونکہ جس وقت اس کو آگ لگی تھی اس وقت یہ مستطیل شکل میں تہہ کیا ہوا تھا۔ اگرچہ اس کے ایک کونے کو ہی آگ نے چھوا تھا، مگر کپڑے کے تہہ بہ تہہ ہونے کی وجہ سے اس پر جلنے کے نشانات یا سوراخ دو لائنوں میں ظاہر ہوئے۔ خوش قسمتی سے یہ خاص کونہ کپڑے کے باہر کے سروں پر آیا تھا، اس لیے کپڑے کا درمیانی مستطیلی حصہ قریباً تمام کا تمام بچ گیا ہے۔ مسیح کے جسم کے نقش پر صرف دونوں شانوں اور سامنے کے رُخ والی تصویر میں بازو کے قریب جلنے سے کچھ نقصان پہنچا ہے۔

آگ لگنے سے کپڑے کا جو حصہ جلا تھا، وہاں بیچ کا حصہ تو خاکستر ہو گیا تھا مگر اس چھید کے اردگرد کا کپڑا سرخی مائل سا ہو گیا ہے جیسے کسی کپڑے پر گرم استری کرنے سے ہو جاتا ہے۔ جس جگہ سے کپڑا جل کر خاکستر ہو گیا تھا، چیمرٹی کی خانقاہ کی ننوں نے پیوند لگا کر اس کی درستی کر دی تھی مگر جس پانی سے یہ آگ بجھائی گئی تھی، اس کا اثر کپڑے پر رہ گیا ہے اور دائرے کی صورت میں ایک سے سیاہی مائل نشانات اور دھبے کفن کے درمیانی حصّہ میں جابجا نظر آتے ہیں۔

کفن پر تہیں

جلنے کی وجہ سے کپڑے پر جو نشانات آ گئے ہیں ان کے علاوہ بھی کچھ اور ٹیڑھی لائنیں یا خطوط نظر آتے ہیں۔ جو کہ اصلی (Positive) چھاپہ میں سیاہ نظر آتے ہیں اور جب اس پلیٹ کا پرنٹ لیا جاتا ہے، تو اس پر سفید دکھائی دیتے ہیں۔ یہ شکنیں اصل میں کفن کے کپڑے کو تہہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہیں اور اب جس ہلکے فریم میں اس کو رکھا گیا ہے اس میں اس کپڑے کو کھینچ کر ان شکنوں کو دور نہیں کیا جا سکتا، جو سیاہی مائل نشان سے ہیں وہ ان کے سائے ہیں۔

کفن پر جسم کے نشانات

کفن کے درمیانی حصّہ پر نظر ڈالنے سے پتا چلتا ہے کہ انسانی جسم نے دو الگ الگ نقش چھوڑے ہیں اور دونوں نقوش میں سر کا حصّہ ساتھ ساتھ ہے مگر ایک دوسرے کو چھو نہیں رہے۔ ایک نقش جسم کے سامنے کا ہے، جب کہ دوسرا جسم کے پچھلے حصہ کا ہے۔ اس قسم کے نقوش کی وجوہات واضح ہو جاتی ہیں، جب یہ علم ہو جائے کہ یہ ایک انسانی لاش نے چھوڑے ہیں۔ لاش کو پہلے طویل کفن کے نصف

حصہ پر اس طرح پر چت لٹایا گیا، کہ پاؤں ایک سرے کی طرف تھے اور سر درمیان میں۔ پھر کفن کے دوسرے نصف حصہ کو سر کے اوپر سے دوہرا کر کے لاش کے اوپر (سامنے) کے حصہ کو ڈھانپتے ہوئے پاؤں کی طرف لے گئے۔ اس لیے دونوں نقوش ایک دوسرے کا اُلٹ ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی ذہن نشیں کرنا ضروری ہے کہ اگر ایک آدمی آپ کے سامنے کھڑا ہے، تو اس کی دائیں طرف آپ کی بائیں طرف ہوگی اور اس کی بائیں طرف آپ کی دائیں طرف ہوگی۔ اور اگر وہ شخص آپ کی طرف پیٹھ کر کے کھڑا ہو جائے، تو اس کی دائیں طرف، آپ کی بائیں طرف کی طرح ہوں گی چنانچہ کفن کی فوٹو پلیٹ نقل مطابق اصل کاپی پر آپ کو نظر آئے گا کہ وہ کفن کی تصویر کو الٹا کرنے کی وجہ سے خود لاش کی تصویر دکھاتی ہے۔ مگر جو کفن پر نقش ہے اور اصل پرنٹ پر تو وہاں سامنے کے رُخ کی تصویر ایسی معلوم ہوتی ہے گویا کوئی آئینہ کے سامنے کھڑا دیکھ رہا ہو۔ اسی طرح جسم کا دایاں پہلو اور اس پر زخم کا نشان آپ کے دائیں طرف ہوگا اور جسم کا بایاں پہلو آپ کے بائیں طرف۔ اسی طرح پر جسم کے پچھلے حصہ کی تصویر کا معاملہ ہوگا۔

جن نقوش کا رنگ نسواری سا لگتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کفن کے کپڑے کے ہر دھاگہ پر نشان ہے گویا جسم سے بہنے والا خون اس میں کم و بیش رچ گیا ہے۔ مکمل جسم کے نقوش ظاہر کرتے ہیں کہ اعضاء قدرتی اور مناسب شکل کے ہیں اور جس شخص کا بھی یہ جسم تھا، وہ تنومند اور صحت والا تھا اور اس کا قد قریباً چھ فٹ تھا۔ مسٹر کی جو پوپ کے عملہ کا ایک تجربہ کار فرد ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ لاش کی تصویر کو دیکھنے اور پیمائش کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کا قد 5.87 (5 فٹ 10½ انچ) تھا، مگر پروفیسر لورنز دفیری (روم کا ایک مجسمہ ساز) کا اندازہ ہے کہ قد قریباً 6.12 فٹ (6 فٹ 1½ انچ) تھا۔ حضرت مسیح کا چہرہ (شبیہہ) باوجود ان نقوش کے مدّہم ہونے کے جب فوٹو لیا جاتا ہے، تو ایک Negative کی طرح کا نظر آتا ہے۔ مگر چہرہ وجیہہ اور رعب والا لگتا ہے۔ چہرے کے اردگرد سر کے لمبے بال نظر آتے ہیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سر کے بالوں کو پیچھے کی طرف سے سامنے کی طرف قدرے موڑ دیا گیا ہے۔ ایسا اس وجہ سے ہے کہ کپڑے کی جو پٹی مُنہ بند کرنے کے لیے ٹھوڑی کے نیچے سے لے جا کر سر کے اوپر باندھی گئی وہ سر کے بالوں کے تھوڑا پیچھے سے گئی ہوگی اور ساتھ ہی یہ پٹی سر کے اوپر کفن سے متصل ہوگئی، تبھی تو سر کے سامنے اور سر کے پیچھے کے جو عکس کفن پر آئے ہیں، ان کے درمیان کچھ فاصلہ رہ گیا ہے۔

پشت کی طرف کے نقش میں جسم کے نچلے حصہ کے اعضاء خوب اور اچھی طرح نظر آتے ہیں۔ دائیں پاؤں کا نہایت صاف نقش بھی آ گیا ہے۔ البتہ سامنے والے نقش میں دونوں ٹانگوں کا نچلا حصہ صاف نہیں آیا، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کفن کا کپڑا دونوں پاؤں کی طرف سے کچھ الگ رہا۔ مگر ان نقوش میں جو جسم کے آگے پیچھے یعنی دونوں اطراف کے ہیں، ایک نہایت قابل توجہ بات یہ ہے کہ ان سے جسم کے حصوں کے اُبھار کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے۔ ان نقوش میں کوئی لائن، کوئی جسم کا ڈھانچہ یا ہیئت اور کوئی سایہ (روشنی میں کمی بیشی کی وجہ سے) انسانی ہاتھ نے نہیں بنایا اور پھر بھی جسم کی صحیح بناوٹ اور اس کا اُبھار وغیرہ کپڑے پر صاف نظر آتے ہیں۔

خون کے دھبّے

خون کے دھبّے کفن کے چاروں طرف نظر آتے ہیں۔ اس لیے واقعہ کے پس منظر پر نہایت غور و خوض ضروری ہے۔ حضرت مسیح کو صلیب دیے جانے سے پہلے ننگا کر کے چابکوں اور کوڑوں سے مارا گیا تھا۔ اِس وجہ سے جگہ جگہ سے جسم پھٹ کر خون نکلتا رہا اور اس کے نشانات بھی کفن پر آ گئے ہیں۔ نیز اُنہیں صلیب دیے جانے سے پہلے کانٹوں کا تاج پہنایا گیا تھا، سر کی کھوپڑی پر ان کانٹوں سے جو چھید ہوئے ان سے بھی خون رِستا رہا، اس کے دھبّے بھی کفن پر آئے ہیں۔ علاوہ اس کے حضرت مسیحؑ کو اپنی صلیب کی ایک بوجھل لکڑی کندھے اور پیٹھ کا سہارا دے کر لانا پڑی، اس سے جو خراشیں آئیں اور خون نکلا اس کے نشان بھی آ گئے ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں اور پاؤں میں لوہے کی جو میخیں ٹھونکی گئیں، اس کے زخم اور ان سے بہنے والا خون اور آخر میں رومی سپاہی کے ان کے دائیں پہلو میں نیزہ مارنے کا زخم اور اس سے بہتا ہوا خون، کفن کے کپڑے پر جگہ جگہ دھبّے اور گہرے نشانات چھوڑ گئے ہیں۔

ایک عجیب خصوصیت اس جسم پر نشانات اور نقوش میں یہ ہے کہ کفن کے کپڑے پر ان نقوش میں بھی سائے اور روشنی اور ان کی درمیانی حالت کا عکس صاف نظر آتا ہے اور وہ ایک دوسرے سے بتدریج بغیر کوئی حد بنائے گھل مل جاتے ہیں۔

واضح رہے کہ خون کے دھبّے اور نشانات الگ الگ، صاف اور اپنی حدود کے اندر نظر آتے ہیں۔ طبّی ماہرین کے نزدیک کفن پر خون کے دھبّے ایک معمّا ہیں۔ وہ دیکھنے میں کپڑے پر دوسرے نقوش کی طرح نیگیٹو (Negative) فوٹو

کی طرح نظر نہیں آتے، بلکہ پوزیٹو (Positive) فوٹو یعنی اصلی حالت میں نظر آتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کفن کے جسم سے براہِ راست لگنے کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ کپڑے پر سے خون پپڑی بن کر جھڑا نہیں، حالانکہ صدیوں سے یہ کفن اِدھر سے اُدھر منتقل ہوتا رہا ہے۔

جو لوگ مصوری اور رنگ سازی سے نا آشنا ہیں، ان کے لیے اِن خون کے دھبّوں کا صحیح رنگ بتانا مشکل ہے۔ یہ رنگ اصل میں سُرخ ہی ہے، اگرچہ زخموں کے مختلف نوعیت کے ہونے کے وجہ سے رنگت میں سرخی کم وبیش یا ہلکی ہوگئی ہے۔ مثلاً سر کی کھوپری کے نشان کے پاس اور ہاتھوں اور پاؤں کے زخموں کے پاس رنگ گہرا سرخ ہے، مگر جسم پر کوڑوں کی وجہ سے زخموں کے نشانات میں ہلکا سُرخ رنگ ہے جو صاف دکھائی دیتا ہے۔ اس امر میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ یہ انسانی خون ہے جو کپڑے میں رَچ بس گیا ہے اور اس بات میں بھی شک نہیں کہ یہ خون حضرت مسیحؑ کے زخم سے نکلا ہوا تھا۔

کفن کی مختلف تصاویر

سرکاری فوٹو گرافر ایزی نے کل بارہ الگ الگ تصاویر اُتاری تھیں۔ ان میں سے نو تصاویر مقدس کفن کو چوکھٹے سے باہر نکال کر نہایت تیز اور مناسب طریق پر روشنی ڈال کر مختلف زاویوں سے لی گئیں جن میں جملہ تفصیلات آ گئیں اور باقی تین تصاویر پورے کفن کی لی گئیں۔ ان تصاویر کی نوک پلک کسی عکاس نے نہیں سنواری اور نہ ہی اسے کسی خاص کیمیاوی مصالحہ سے دھویا گیا بلکہ عام طریق سے تصاویر تیار کی گئیں۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تصاویر میں جسم کے جن نقوش کا عکس آیا ہے وہ اسی طرح پر ہے جیسے جس طرح ایک عام آدمی کی فوٹو لے کر اس کی تصویر بنائی جائے۔ چونکہ کفن کا یہ خاص کپڑا تمام نقوش کو جذب کر کے خود نیگیٹو کی صورت اختیار کر گیا ہے، اس لیے جب اس کا فوٹو اُتارا جاتا ہے، وہ نیگیٹو کی طرح اُلٹ ہوتا ہے۔ یعنی سفید، سیاہ اور سیاہ سفید نظر آتا ہے۔ گویا خود ہی یہ کپڑا کیمرے کی پلیٹ بن گیا ہے جس میں جسم کے نقوش محفوظ ہیں۔ یہ کیوں اور کس طرح ہوا، اس پر بعد میں روشنی ڈالی جائے گی۔ مگر اس کپڑے کے نیگیٹو عکس اور عام فوٹو کے نیگیٹو میں ایک فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ کپڑے کے عکس پر سائے نظر نہیں آتے جیسا کسی عام چیز کے فوٹو لینے پر آ جاتے ہیں ایک اور ضروری بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اس کپڑے کا جو حصّہ آگ سے جلا ہے یا جلنے کے نشان ہیں، وہ اور خون کے دھبوں کے نشان کفن پر اصلی رنگ اور حالت میں ہیں، یعنی نسواری اور سرخ رنگ لیے ہوئے ہیں، مگر فوٹو میں پلیٹ پر وہ سفید نظر آتے ہیں اور کفن کا کپڑا حسب معمول فوٹو پلیٹ میں سیاہ نظر آتا ہے۔

خلاصہ

فوٹو گرافر ایزی نے خوب غور وخوض کے بعد جو نتائج پیش کیے وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ اس غیر معمولی انسانی جسم کے عکس کی خصوصیات جیسے کسی انسان کے ہاتھ نے اُبھارا پورے کفن پر یکساں طور پر نمایاں ہیں اور یہ خون کے دھبّوں سے مختلف ہیں۔

۲۔ کپڑے پر نقوش میں رنگسازی کا کوئی شائبہ تک بھی نہیں ہے۔ جیسا کہ ایک مصور کے رنگ لگانے اور بُرش کے اثرات سے ظاہر ہوتے ہیں۔ غرض کسی قسم کی بھی بناوٹ یا صناعی کا اس میں دخل نہیں۔

۳۔ نقوش میں روشنی اور سائے کی ہیئتی حدود نہیں ہیں، اور نہ ہی خطوط یا نقوش کے ذریعہ سے تصویر کو مکمل کرنے کے نشانات ہیں۔ اگر کہیں کچھ فرق نظر بھی آتا ہے، وہ تصاویر اُتارنے اور تیار کرنے کے طریق میں کمی بیشی ہو جانے کی وجہ سے ہے۔

۴۔ خون کے دھبّے جو کہ جسم کے نیگیٹو عکس پر اصلی یا پازیٹو (Positive) حالت میں ہیں۔ اُن نشانوں کی طرح ہیں جو کپڑے کے جسم کے ساتھ چسپاں ہونے سے پیدا ہوں۔ پھر یہ دھبّے جو بے قاعدہ شکل میں ہیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قدرتی طور پر ہیں۔

۵۔ ان نقوش میں انسانی جسم کے اعضاء تناسب اور لمبائی چوڑائی اس طرح پر ہے، جیسے زندہ انسان میں ہو، بلکہ اس میں جسم کے تناسب اور چہرے کے خدوخال سے اس کی شخصیت، قوم اور نسل کا بھی پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ چہرے پر جو کچھ سوجن نظر آتی ہے یا ناک پر جو چوٹ کا نشان ہے اُس سے بھی چہرے کے انداز میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

۶۔ جہاں جسم کا سایہ پڑنا چاہیے تھا، وہاں کوئی اثر نہیں پڑا کیوں وہاں کفن کا کپڑا صحیح حالت میں نظر آتا ہے۔

۷۔ جس فوٹو کی نیگیٹو پلیٹ پر چہرے کی تصویر لی گئی ہے، وہ پلیٹ میں اصلی اور

پوزیٹو شکل میں نظر آتی ہے۔ اس میں نہ صرف چہرے کے خدوخال اور ان کا اُبھار ہی نظر آتا ہے بلکہ اس شخص کی شخصیت، وجاہت اور روحانیت کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ چہرے کے خدوخال سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص سامی نسل سے ہے۔

کفن پر جسم کے نقوش کس طرح بنے اور ظاہر ہوئے

کفن کے کپڑے پر جو حضرت مسیحؑ کے جسم کا نقش یا نقل اُتر آئی ہے، وہ اپنی ہیئت کے لحاظ سے فوٹو گرافی کے ایک نیگیٹو عکس کی مانند ہے۔ کوئی مصور بھی ایسی متناسب تصویر اصل کو دیکھے بغیر نہیں بنا سکتا۔ ویسے بھی ازمنہ وسطیٰ Middle Ages میں فوٹو کے نیگیٹو کا تصور بھی مفقود تھا۔ انیسویں صدی میں فوٹو گرافی کی ایجاد کے بعد ہی یہ انسانی علم اور فہم میں داخل ہوا ہے۔ ایک اور بات بھی قابلِ غور ہے کہ کفن جیسے ہلکے کپڑے پر اس قدر رنگ کیسے تھوپا جا سکتا تھا اور اس صورت میں بھی کپڑا کُھردرا اور سخت ہو جاتا، حالانکہ اِس کفن کا کپڑا اِن رنگدار نقوش کے ہوتے ہوئے بھی نرم ہے اور لپیٹا جا سکتا ہے۔ گزشتہ پانچ سو سال کے عرصہ میں اِس کپڑے کو بار ہا لپیٹا اور کھولا گیا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچایا گیا۔ اگر اس پر مصنوعی رنگ ہوتا، تو اس نقل و حرکت سے اس کا مصنوعی رنگ جگہ جگہ سے جھڑ چکا ہوتا، مگر ایسا نہیں ہوا، خصوصاً چہرے کے نقش کے ساتھ۔

اس کفن کے نقوش کی سائنٹفک چھان بین پہلے پہل ایک شخص پال جوزف و گنان (Paul Joseph Vignon) نے کی یہ شخص شہر لیون (Lyon) فرانس کے ایک امیر گھرانے کا فرد تھا۔ 1897ء میں وہ پروفیسر یو ایس دلاج (Yues Delage) کے زیر اثر آیا جو کہ پیرس کے قریب ساربون یونیورسٹی (Sarbonne) میں پروفیسر اور نیچرل ہسٹری کے میوزم کا ڈائریکٹر تھا اور جلدی ہی اس کا اسسٹنٹ بن گیا۔ 1900ء میں ڈلاج نے پہلی مرتبہ وگنان کو مقدس کفن کی وہ تصاویر دکھائیں جو پیا (Pia) نے پہلی بار لی تھیں۔ وگنان نے تصاویر کا بغور مطالعہ کیا اور نتیجہ یہ نکالا کہ نقوش میں نرم جسم کا جو حصّہ گہراؤ میں یا پیچھے ہٹا ہوا تھا، اسی وجہ سے نقوش کو فوٹو کے نیگیٹو جیسی مشابہت حاصل ہوئی۔ ان کی علاوہ یہ بات بھی سامنے آئی کہ کفن کے کپڑے پر وہ جگہ جہاں کپڑا جسم سے نہ لگا تھا، پھر بھی جسم کا کچھ نہ کچھ عکس آ گیا۔ مگر ان میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ جس جگہ کپڑا جسم سے قریباً ایک سینٹی میٹر یا 4/10 کے فاصلہ پر تھا وہاں تو جسم نے اپنا عکس چھوڑا ہے، مگر جہاں کفن کا کپڑا جسم سے چند سینٹی میٹر کے فاصلہ پر تھا وہاں جسم کا کوئی عکس نہیں آیا۔ اِس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ نقوش یا عکس کا شوخ، ہلکا یا بالکل نہ ہونا اس بات پر منحصر تھا کہ کفن کا کپڑا جسم سے کتنے فاصلہ پر تھا۔ جسم کے سامنے اور پیچھے کے نقوش کا بغور مطالعہ کرنے سے مندرجہ بالا تجزیہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ ان نقوش کے ہلکے یا شوخ ہونے کے باوجود انسانی جسم کا تناسب قدرتی ہے۔

ان مشاہدات کا نتیجہ ظاہر ہے کہ کفن کے کپڑے پر کچھ نقوش تو جسم سے لگنے سے پیدا ہوئے اور کچھ جسم کے کپڑے سے الگ ہونے کے باوجود اپنا عکس چھوڑ گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جسم سے کوئی ایسی رطوبت نکلی تھی جس کی وجہ سے جسم سے لگے ہوئے کپڑے پر نقوش بن گئے اور اسی رطوبت اور اس کے بخارات کی وجہ سے جسم کا سڈول پن اور اُبھار بھی کپڑے پر آ گیا۔ وہ کیا رطوبت اور اس کے بخارات تھے جنھوں نے جسم سے نکل کر یہ اثرات چھوڑے ان کو دریافت کرنے کا بھی وگنان نے تہیّہ کر لیا۔

اب کفن کے کپڑے کو ایک فوٹو لینے والی پلیٹ سے مشابہت دی جائے، تو ضروری ہے کہ اس کپڑے پر کوئی ایسی کیمیاوی شے لگی تھی جس نے جسم سے خارج ہونے والی رطوبت اور اس کے بخارات کا اثر قبول کیا۔ یہ بات اس کے علم میں تھی کہ مشرقی ممالک کے لوگ اپنے مُردوں کے کفن دفن کے لیے کئی خوشبودار اور طبّی اثر رکھنے والی جڑی بوٹیوں میں جو عام طور پر استعمال ہوتی تھیں دو بوٹیاں مُر Myrrh اور عود یا لُوبان Aloes ہیں۔ مؤخر الذکر بوٹی کو ایلوا بھی کہا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں وگنان نے ایک دوسرے شخص رینے کولسن (Rene Colson) کی مدد حاصل کی جو پیرس کے پولی ٹیکنیک سکول میں پروفیسر تھا۔ یہ پروفیسر ان دنوں جست کی دھات اور اس سے پیدا ہونے والے بخارات پر تجربے کر رہا تھا۔ کولسن نے کفن دفن میں استعمال ہونے والی جڑی بوٹیوں کی تحقیق شروع کی تو اسے یہودیوں کی طبّی کتب میں حضرت موسیٰؑ کے زمانہ کا ایک نسخہ ملا، جس میں مُردہ جسم پر ملنے والے خوشبودار مرہم درج تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہودی مُر اور لوبان کو کوٹ چھان کر خالص زیتون کے تیل میں ملاتے تھے اور اس سے مرہم سا بنا لیتے تھے جو لئی کی شکل بن جاتا تھا۔ وگنان نے یہ امر پیش کیا کہ اِس قسم کا مرہم حضرت مسیحؑ کے جسم کے لیے کفن پر ملا گیا ہو گا جس کی وجہ سے وہ کپڑا اسی طرح اثر پذیر ہو گیا جیسا کہ فوٹو لینے کی پلیٹ ہوتی ہے۔ اِس کے بعد کوئی کیمیاوی

رطوبت جسم سے نکلی ہے جس سے کفن پر نقوش پڑ گئے۔ وہ کیمیاوی چیز کیا تھی؟ اس پر کولسن نے اپنی تحقیق میں یہ وضاحت کی ہے کہ عود یا لوبان میں وہ کیمیاوی اجزا ہوتے ہیں۔ جنھیں ایلوئن Aloin اور ایلوٹن Aloetin کہتے ہیں۔ ان میں ایلوٹن کا یہ خاصہ ہے کہ وہ کھاری اثر رکھنے والی کیمیاوی چیزوں سے اور آکسیجن گیس سے مل کر اس کا مرکب بنا لیتا ہے، اس کو آکسی ڈائز (Oxidise) ہونا کہا جاتا ہے۔ (Ammonia) پر کیمیاوی عمل کیا ہو۔ ان دونوں (وگنان اور کولسن) نے کپڑے کا ایک ٹکڑا لیا اور اس کو ایسے پانی میں گیلا کیا جس میں ایمونیا ملا ہوا تھا، پھر اسے ایسے مرکب میں ڈبو دیا جس میں تیل اور عود یا لوبان ملے ہوئے تھے۔ اِس عمل سے کپڑے کا ٹکڑا نسواری رنگ کا ہو گیا اور ساتھ ہی نرم بھی رہا۔ اگر (Aloes) لوبان زیادہ مقدار سے تیل میں ملا ہوا ہو، تو کپڑے پر پپڑی سی جم جاتی ہے اور اگر کم مقدار میں ہو تو کپڑے میں معمولی رنگ کی طرح جذب ہو کر نسواری رنگ کر دیتا تھا۔ ایمونیا اور Aloes یہ دونوں چیزیں ہی کفن کے سربستہ راز کو افشا کرنے کا موجب بنی ہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسانی جسم سے ایمونیا کے بخارات کیسے نکلے۔ اس پر مزید تحقیقات سے یہ سامنے آیا کہ انسان کے جسم میں یوریا یا کیمیاوی مادہ موجود ہوتا ہے اور یوریا میں جب خمیر اٹھایا جائے تو وہ کاربونیٹ آف ایمونیا کا مرکب بن جاتا ہے جس سے مسلسل ایمونیا گیس کے بخارات نکلتے رہتے ہیں۔ اب یہ سوال ہو سکتا ہے کہ انسانی جسم پر یوریا کا لیپ کیسے آیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جسم کے پسینہ کی وجہ سے ایسا ہوا۔ انسانی جسم سے عام طور پر جو پسینہ نکلتا ہے، اس میں کئی ایک کیمیاوی اجزاء میں یوریا بھی شامل ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ کم مقدار میں ہوتا ہے، مگر ایک مریض کے پسینے میں یوریا کی مقدار زیادہ ہو جاتی ہے اور اسی طرح جب کوئی شخص سخت تکلیف اور درد و کرب میں مبتلا ہو (جیسا کہ صلیب پر ہوتا ہے) اور یہ حالت دیر تک قائم رہے، تو اس کا جسم ایسے پسینہ سے شرابور ہو جاتا ہے جس میں یوریا کی مقدار زیادہ ہو۔ اس ساری تفصیل سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اس مقدس کفن پر جو اس وقت ٹیورن کے گرجا میں رکھا ہوا ہے جس کے جو نقوش اور عکس نظر آتے ہیں، وہ ایک انسانی جسم سے قدرتی طور پر بنے ہیں اور جسم حضرت مسیحؑ کا تھا۔

☆☆

جماعتی خبریں

اعلان

ہم ممبران احمدیہ انجمن لاہور سیلاب زدگان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس آزمائش کی گھڑی میں ممبران احمدیہ انجمن لاہور اپنے ہم وطنوں کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑے ہیں۔ سیلاب زدگان کی مدد کے لئے احمدیہ انجمن لاہور کی انتظامیہ اور ممبران نے ایک کروڑ روپے کی خطیر رقم جمع کی ہے جو کہ مختلف ذرائع سے متاثرہ افراد اور خاندانوں کی بحالی کے لئے استعمال کی جائے گی۔

جو ممبران مزید اس کار خیر میں حصہ لینا چاہیں وہ اپنے عطیات مرکزی انجمن کو بھجوا دیں۔

جنرل سیکرٹری
احمدیہ انجمن لاہور

مقامی جماعت احمدیہ لاہور نے خدمت دین کے لئے اپنے مساعی کو جاری رکھا ہوا ہے۔ اس سال بھی عید میلاد النبیؐ نہایت جوش و جذبہ سے منایا گیا، نیز اپنے ماہانہ چندہ جات نائب محاصل وحید احمد کو دے دیا کریں جو کہ آپ کے پاس مرکزی انجمن کے چندہ جات وصول کرنے آتے ہیں۔

شکریہ

صدر مقامی جماعت
چوہدری ریاض احمد

میری پیاری دادو ناصرہ ملک صاحبہ کی یاد میں

تحریراز: سلیمہ فیروز (کراچی)

میری دادو کی پیدائش 17 اگست 1917ء اور وفات 16 اگست 1997ء تھی۔ میری دادو حضرت مولانا محمد علیؒ کی بیٹی ہونے کی وجہ سے اور دین میں ہر وقت سرگرم رہنے کی وجہ سے ایک اہم شخصیت تو تھیں ہی لیکن ہمارے لئے وہ صرف پیاری سی دادو تھیں۔ جن کو ہم نے کبھی بھی اداس یا نا امید نہیں دیکھا۔ حالانکہ وہ عام لوگوں کی طرح چل نہیں سکتی تھیں لیکن وہ اتنی Strong willed تھیں کہ سوٹی کے سہارے ہر جگہ جاتی تھیں، مسجد جانا ہو یا بازار آہستہ آہستہ ہر جگہ پہنچ جاتیں۔ جہاں سیڑھیاں آجاتیں وہاں ہم دوڑ کر انہیں اپنا بازو آگے کر دیتے۔ سیر پر جانا ہوتا تو دادو ویل چیئر (Wheel chair) میں بیٹھ کر ہر جگہ ہمارے ساتھ ہوتیں۔ وہ کھانے بھی بڑے مزے کے پکاتی تھیں اور میٹھے میں گلاب جامن، رس ملائی تو بہت ہی لذیذ تیار کرتیں تھیں۔ گو جماعت کے کاموں میں دستکاری کی بنیاد دادو کی والدہ نے ڈالی تھی، دادو نے اسے پروان چڑھایا۔ دستکاری کی میٹنگ دادو کے گھر میں بڑے اہتمام سے ہوتی تھی۔ آپ ہر وقت نئی نئی تجویزیں دیتی تھیں۔ پورا سال ہمارے گھر میں دستکاری کی تیاری کرتیں۔ T.V. دیکھتے ہوئے، گپ شپ کرتے ہوئے۔ ہمیشہ دستکاری کے لئے کچھ نہ کچھ تیار کرتیں رہتیں۔ ان کی بنائی ہوئی چیزیں صرف میں نے نہیں بلکہ میرے بچوں نے بھی پہنی ہیں۔ آپ کے ہاتھ کی انمول چیز جو دستکاری میں آئی وہ جانمازیں تھیں۔ خاص طور پر بچوں کے لئے تین چھوٹی جانمازیں جن پر بچے آج بھی بڑے شوق سے نماز پڑھتے ہیں۔ یہ جانمازیں آپ خود کاٹ کر بناتی تھیں۔ دادو اپنی کشمیری چائے کی وجہ سے بھی جلسے میں بہت مشہور تھیں۔ بڑے زور و شور سے ہمارے گھر میں چائے کی تیاری ہوتی تھی۔ ساتھ ہی ہم بچوں کو تاکید کرتی تھیں کہ Carry Home کے لئے چیزیں بناؤ۔

ہم سب مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کو ایک عظیم ہستی اور امیر جماعت کے طور پر جانتے ہیں۔ لیکن اپنی دادی کے ذریعے ہمیں ان کی شخصیت کا ایک اور نرم اور شفقت بھرے ایک دوست کا پہلو نظر آیا۔ کیسے اپنے والد کے ساتھ وہ ہر وقت پکنک پر جاتی تھیں اور مختلف کھیل کھیلتی تھیں۔ مولانا محمد علی صاحب اتنے روشن خیال تھے کہ انہوں نے اپنی بیٹیوں کو اعلیٰ تعلیم دی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب لڑکیاں زیادہ نہیں پڑھتی تھیں۔ دادو نے Queen Marry سے میٹرک کیا اور لاہور کالج سے B.A کیا پھر B.Ed کیا اور گجرات میں درس وتدریس سے منسلک رہیں۔

دادو چندہ دینے میں سب سے آگے ہوتی تھیں اور جماعت احمدیہ خواتین کی سرگرم رکن تھیں۔ قرآن سے محبت انہیں ورثے میں ملی تھی اور یہی محبت آپ نے اپنے بچوں اعزاز الٰہی ملک اور نعمان الٰہی ملک میں منتقل کی۔ آپ ہر حال میں درس میں باقاعدگی سے شامل ہوتیں۔ نصیر احمد فاروقی صاحب کے درس نہایت شوق سے سنا کرتی تھیں اور ان درس کی ریکارڈنگ کا ذمہ بھی آپ کے سر تھا۔ آپ نے یہ فرض بخوبی انجام دیا اور آج یہ ریکارڈنگ ہماری جماعت کے لئے ایک سرمایہ ہے۔

میری دادو جہاں دین کے کاموں میں آگے آگے تھیں وہاں دنیا کے کام بھی بخوبی انجام دیتی تھیں۔ آپ کی بہت اچھی اچھی ہستیوں سے دوستی تھی اور ان سے وہ زیادہ تر دین ہی کی باتیں کرتیں۔ دادو بالکل بھی وقت ضائع نہیں کرتی تھیں۔ آپ اپنے ہاتھوں سے گڑیا بنایا کرتی تھیں۔ دادو اپنے بہن بھائیوں سے بہت پیار کرتی تھیں۔ بچپن میں وہ ہمیں دوپہر کو کہانیاں سنایا کرتی تھیں اور ہم ان کے ساتھ مل کر بادام، آڑو اور ٹافیاں کھایا کرتے تھے۔ جب وہ امریکہ جاتیں تو ہم بے صبری سے ان کے آنے کا انتظار کرتے۔ ہمیں معلوم ہوتا تھا کہ ان کا سوٹ کیس ہمارے کھلونوں وغیرہ سے بھرا ہوگا۔ دادو نے ہمیشہ ہمیں صحیح نصیحت کی اور دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا درس دیا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے پر بہت زیادہ زور دیتی تھیں۔

آج بھی اپنی مصروف زندگی میں بہت سے ایسے لمحے آتے ہیں جب ہمیں دادو کی بہت یاد آتی ہے۔ جماعت میں بھی دادو جیسے لوگوں کی کمی ہر وقت محسوس ہوتی ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ ہم ان کے نقش قدم پر چل سکیں اور جس طرح انہوں نے دین کی خدمت کی ہے ہم بھی اسی دینی محبت کے ورثے کو آگے چلا سکیں اور ہمیشہ دین کو دنیا پر مقدم رکھیں۔ آمین

پیغام احمدیت

غیراحمدی معترضین کے اعتراضات کے جوابات

پروفیسر محمد الیاس برنی کی کتاب ''قادیانی مذہب'' کو عموماً حضرت مرزا صاحب اور جماعت احمدیہ کے خلاف اعتراضات پر مشتمل ایک مستند کتاب سمجھا جاتا ہے اور بعد میں آنے والے تمام معترضین نے تقریباً اسی کتاب سے حوالے نقل کر کے اپنے آپ کو مصنفین کی صف میں شامل کرنے کی کوشش ہے۔ ان کی اس کتاب میں موجود اعتراضات دو حصوں پر مشتمل ہیں۔ ایک حصہ حوالہ جات وہ ہیں جن کا تعلق جماعت احمدیہ ربوہ کی تحریرات سے ہے۔ جن سے ہم برآت کا اظہار کرتے ہیں اور ان کے جوابات دینا مناسب نہیں سمجھتے کہ یہ انہی کی ذمہ داری ہے۔ دوسرے اعتراضات حضرت مرزا صاحب کی ذات پر ہیں ان کے مدلل جوابات ہمارے ایک مشہور مبلغ شیخ محمد طفیل مرحوم نے اپنی کتاب ''پیغام احمدیت'' میں دیئے تھے۔ قارئین کے ازدیاد علم کے لئے اعتراضات اور ان کے جوابات کا سلسلہ شروع کیا جارہا ہے تا کہ وہ تصویر کے دونوں رخ دیکھ کر خود فیصلہ کریں۔

فصل پہلی ص 97 تا 100 خلاصہ اعتراضات

مولانا نورالدین صاحب کو خط کہ شادی کے وقت آپ میں خواہش نفس کی کمی تھی اللہ تعالیٰ سے دعا قبول ہوئی اور آپ کو چار لڑکے عطا کئے (بحوالہ نزول المسیح)۔ مولانا نورالدین صاحب کی دوا سے بہت فائدہ ہوا چند امراض کا ہلی و سستی دور ہو گئے۔ ان کی تیار کردہ دوا مقوی دماغ و جگر و معدہ و باہ ہے (خطوط بنام مولانا نورالدین) وغیرہ

انبیاء، صوفیاء، اولیاء اور اتقیا کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان میں خواہشات نفسانی مفقود ہوتی ہیں۔ اور یہ لوگ صفات بشریت سے مطلقاً پاک ہوتے ہیں۔ حالانکہ شریعت کا مقصود خواہشات نفسانی کا ازالہ نہیں بلکہ ان کی شکستگی ہے۔ سرے سے خواہش کے مادہ کا باقی نہ رہنا کمال نہیں بلکہ اسے قابو میں لانے کی صلاحیت اور اسے مغلوب کرنے کی قوت ہی اصل کمال ہے امام غزالی نے احیاء العلوم میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ (661ھ۔786ھ) جو بہار کے مشہور مشائخ میں سے تھے اپنے مکتوبات میں تحریر فرماتے ہیں:

اردو ترجمہ:

''اس شخص کی جہالت اور حماقت ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ خواہش نفس اور صفات بشریت سے مطلقاً پاک ہونا چاہیے۔ اس نے یہ غور نہیں کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بشر ہوں۔ کسی وقت مجھے غصہ آجاتا ہے اور غصہ کا اثر بھی آپ پر ظاہر ہو جاتا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: والکاظمین الغیظ اللہ تعالیٰ ان کی تعریف کرتا ہے کہ وہ غصہ کو دباتے ہیں۔ اس کی تعریف نہیں کہ غصہ کا مادہ ہی نہیں اور کس طرح شریعت خواہش نفس کے بالکل ازالہ کا مطالبہ کر سکتی ہے جب کہ آنحضرتؐ کی نو بیویاں تھیں۔ اگر کسی کی خواہش نفس بالکل زائل ہوگئی ہو تو اس کو علاج کرانا چاہیے کہ پھر پیدا ہو جائے۔ اس لئے کہ گھر والوں اور اولاد پر شفقت جہاد میں کافروں پر غصہ اور اولاد کا سلسلہ اور نیک نام کا بقایہ سب چیزیں نفس کے احساسات اور خواہشات سے تعلق رکھتی ہیں۔ پیغمبروں نے اس کی تمنا کی ہے کہ ان کا سلسلہ نسبی چلے۔ لیکن شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ خواہشات کو مغلوب رکھا جاوے اور احکام شریعت کے ماتحت ۔۔۔ شہوت اور غصہ کتے اور گھوڑے کی طرح ہیں۔ آخرت کی سعادت کو ان دونوں کے بغیر شکار ہی نہیں کیا جا سکتا لیکن شرط یہ ہے کہ ماتحت اور قابو میں ہوں۔ اگر غالب ہوں گے تو ہلاکت کا سبب بن جائیں گے۔ پس ریاضت اور مجاہدہ کا مقصود یہ ہے کہ یہ دونوں صفتیں شکستہ اور مغلوب ہو جائیں اور یہ ممکن ہے'' (سید ابوالحسن ندوی تاریخ دعوت وعزیمت حصہ سوم ص289۔291 مکتوب ہشتم)

یہ حوالہ مخالف احمدیت کی تالیف کا ہے۔ شیخ شرف الدین کے ان مکتوبات کے متعلق سید ابوالحسن ندوی نے لکھا ہے کہ مکتوبات کا یہ مجموعہ معارف وحقائق کے پورے اسلامی ذخیرہ میں خاص امتیاز رکھتا ہے اور ان میں کتاب وسنت کے صحیح و عمیق فہم مقام نبوت کی حدیث کے بیان اور شریعت کی حمایت جس انداز سے کی گئی ہے اس سے مکتوب نگار کی معرفت الٰہی ایمان و یقین اور تصفیہ قلب وتزکیہ نفس کا اندازہ ہوتا ہے۔'' (ایضاً ص240)

مندرجہ بالا خط میں تو صاف ہدایت کی گئی ہے کہ:

''اگر کسی کی خواہش نفس بالکل زائل ہوگئی ہو تو اس کو علاج کرانا چاہیے کہ پھر پیدا ہو جائے اس لئے کہ۔۔۔اولاد کا سلسلہ اور نیک نام کا بقایہ سب چیزیں نفس کے احساسات اور خواہشات سے تعلق رکھتی ہیں۔''

اگر حضرت اقدس نے اپنی صحت کے لئے جو مسلسل ریاضات اور مجاہدات سے کمزور ہوگئی تھی اپنے طبیب دوست سے مشورہ کیا اور کچھ ادویات استعمال کیں تو اس میں کون سا فعل شریعت کے خلاف کیا؟

امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اپنی دوسری کتاب کیمیائے سعادت میں فرماتے ہیں:

''اور غرائب اخبار میں ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو ضعف شہوت میں دیکھا تو جبرئیل نے مجھے ہریسہ کھانے کو کہا۔ اور اس کا سبب یہ تھا کہ حضورؐ کی نو عورتیں تھیں اور وہ تمام عالم پر حرام ہو چکی تھیں اور ان کی امید تمام جہان سے منقطع ہو چکی تھی'' (کیمیائے سعادت اردو ترجمہ ملک عنایت اللہ ص 270 مطبوعہ دین محمدی پریس لاہور)

انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ فرمایا حضرتؐ نے کہ تم خضاب کیا کرو حنا کا کہ حنا قوتِ باہ پیدا کرتی ہے۔۔۔۔ان حدیثات کو غایت الاحکام والے نے بیان کیا ہے۔'' (طب نبوی ص7 مطبوعہ ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور)

دیگر حوالہ جات کے لئے دیکھئے زاد المعاد مصنفہ علامہ قیم۔ ترجمہ رئیس احمد جعفری جلد اول ص121 مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ایضا البخاری جلد 11 ص36 مطبوعہ مجلس قاسم المعارف دیوبند۔ یوپی۔ انڈیا۔ ص37 اور حاشیہ بھی ملاحظہ ہو۔

☆☆☆☆

اظہار مذمت

ہم ممبران جماعت احمدیہ لاہور حضرت علیؓ کے یوم شہادت کے موقع پر جلوسوں پر ہونے والے حملوں کی پُرزور مذمت کرتے ہیں۔ اس طرح معصوم جانوں کے ساتھ کھیلنا اور قیمتی انسانی جانوں کے ضیاع کا یہ انسانیت سوز واقع نہ صرف قابل مذمت ہے بلکہ یہ تو درندگی اور وحشت کا عملی نمونہ ہے۔

ہم اس حادثے میں راہی عدم ہونے والوں کی مغفرت اور بخشش کی دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان شہداء کو جنت کے اعلیٰ مقامات عطا فرمائے اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

اس طرح پُرامن شہریوں پر عبادت کے دوران حملہ کرنا ایک بزدلانہ عمل ہے جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔

ہم خدا تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمارے پیارے ملک خدادادِ پاکستان کو اس فتنہ انگیزی اور اس دہشت گردی کی آگ سے نجات دے اور اس ملک کے باسیوں کو خوش حالی، امن، سلامتی اور شانتی کی زندگی عطا کرے۔ آمین

جنرل سیکرٹری

احمدیہ انجمن لاہور

☆☆☆☆

باہتمام پاکستان پرنٹنگ ورکس کچار شید روڈ لاہور سے چھپوا کر پبلشر چوہدری ریاض احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح، دارالسلام۔۵۔عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور سے شائع کیا۔

از: محمد اعظم علوی

جشنِ پاکستان پر

دعا اہلِ حرم کی عرش سے پیغام لائی ہے بحمد للہ کہ نصرت پھر درِ مولا سے آئی ہے
جو تھا مدِ مقابل آج اس نے منہ کی کھائی ہے شہنشاہی مسلمانوں کی لونڈی بن کے آئی ہے

درِ خالق پہ یہ غازی جو خم اپنی جبیں کر لیں
تو پاکستان کیا شئے ہے جہاں زیرِ نگیں کر لیں

ہمیں فاروق اعظمؓ کی وہ سطوت یاد ہے اب تک علیؓ و طارق و خالدؓ کی جرات یاد ہے اب تک
صلاح الدین و قاسم کی شجاعت یاد ہے اب تک ہوئی تھی ہم پہ جو بارانِ رحمت یاد ہے اب تک

اُدھر غازی کے لب پر نعرہ تکبیر ہوتا تھ
تو ملک قیصر و کسریٰ اِدھر تسخیر ہوتا تھا

وہ جرات آشنا تھے گرمی ایماں کی برکت سے سمجھتے تھے کہ زندہ ہیں فقط احیاءِ ملت سے
خریدا جا نہیں سکتا تھا اُن کو مال و دولت سے فقیری میں وہ مالا مال تھے صبر و قناعت سے

تکبر سے نہ اٹھتی تھی نگاہِ پاک باز ان کی
ادا ہوتی تھی تلواروں کے سایہ میں نماز ان کی

اسی جوشِ اخوت سے جہاں میں انقلاب آیا یہی احساس ملت نور بن کر ہر طرف چھایا
یہی جذبہ مسلماں کو زمیں سے عرش پر لایا جہاں والوں نے اپنے روبرو نورِ خدا پایا

نوید فتح و نصرت بن کے آئی ہر سحر ان کی
پہاڑوں کا جگر تک چیر جاتی تھی نظر ان کی

سرِ مسلم پہ اب جو ابرِ رحمت کی تراوش ہے جگر کے خون سے تاریخ ماضی کی نگارش ہے
چمن میں جذبہ شوقِ شہادت کی نمائش ہے یہ کہہ دو بلبلوں سے نقد جاں کی آزمائش ہے

سرود و رقص کی محفل کے اٹھ جانے کے دن آئے
کمر باندھو عزیزو نور پھیلانے کے ن د آئے

یہ نصرت ربِ کعبہ کی طرف سے اِک بہانہ ہے مقدر ہم کو میدان عمل سے آزمانا ہے
کٹھن ہے اپنی منزل آزمائش کا زمانہ ہے ہمیں اسلام کی دیرینہ عظمت کو دکھانا ہے

ہمیں اپنے وطن کی اس طرح تعمیر کرنا ہے
کہ قول و فعل سے قرآن کی تفسیر کرنا ہے

خدا رکھے سلامت قائد ملک و سیاحت کو خدا محفوظ رکھے اہل ایمان کی ریاست کو